الرشد

فروری 1985ء

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

جلد ۶ | فروری ۱۹۸۵ء مطابق جمادی الاول ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۵

دینی، اصلاحی۔ تصوف اور علمِ سلوک کا واحد مجلہ

بیاد
حضرت العلام
مولانا
اللہ یار خان صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

○

سرپرست
حضرت مولانا
محمد اکرم صاحب
مدظلہ العالی

مدیر مسئول

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم، اے (عربی اسلامیات)

مدیران اعزازی

مولانا اللہ بخش زاہد ایم، اے (معاشیات)
اور ابوطلحہ

بدل اشتراک
چندہ سالانہ ۴۵/- ● ششماہی ۲۵ روپے
بیرون ممالک سے بذریعہ ہوائی ڈاک سالانہ چندہ
مشرقِ وسطیٰ ۱۲۰ روپے یورپ ۱۴۰ روپے
لیبیا ۱۵۰ روپے امریکہ ۱۶۰ روپے۔

فی پرچہ ۴/- روپے

ماہنامہ المرشد

چکوال (جہلم) (پاکستان)

رابطہ کے لئے
"دارالعرفان منارہ (جہلم)"

سول ایجنٹ: مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹرز اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نیت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال جہلم سے شائع کیا

ترتیب

* ۱- اداریہ- سلوک ———— مدیر
* اسرار التنزیل ———— مولانا محمدؒ اکرم صاحب
* رحمتہ للعالمین ———— ابو سعید
* اخلاص ———— سید علی شاہ
* تسہیل طریقہ سلوک ———— حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
* تیرہ خاکم را سراپا نور کن ———— محمدؐ یار ملک
* دیکھتا چلا گیا ———— سیلانی کے قلم سے
* غزل ———— میجر فضل حسین مرحوم
* عیادت روبرو ———— سیدؒ عزیز الرحمٰن
* عمامہ اور اتباعِ سنتؐ ———— محمدؐ سمیع اللہ

المرشد فروری ۱۹۸۵ء مطابق جمادی الاوّل ۱۴۰۵ھ

اداریہ

سُلوک

سیر و سلوک کا مفہوم لُغت کے اعتبار سے چلنے اور چلتے رہنے کے ہیں۔ اور اصطلاحِ صوفیہ میں سیر الی اللہ اور سلوک کے معنی یہ ہیں کہ نفس کی خواہشوں اور طبعی مقتضیات کے غلبہ کو مجاہدہ اور ریاضت، طاعات اور ذکرِ الٰہی سے اتنا مغلوب اور مضمحل کرنا کہ اللہ تعالےٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مقابلے میں وہ اُبھرنے نہ پائیں۔ اور قلب حق تعالےٰ کی یاد میں مشغول اور اس کی طاعت میں سرگرم رہے اور احکامِ شرعیہ اس کے لئے طبیعت ثانیہ بن جائیں۔ اسی کا نام سلوک ہے۔ اور یہی وصل ہے۔ اور یہی اللہ تعالےٰ تک پہنچنا ہے معلوم ہوُا کہ یہی خواہشات اور مقتضیات طبعی ہی سالک کے لئے اصل میدانِ عمل ہے۔

تاج الاولیاء ابن عطاء اللہ سکندریؒ نے کیا خوب فرمایا کہ "اگر نفوس کی خواہشات اور شہوات کے میدان اور ان کی عادات و علائق کے جولانگاہ نہ ہوتے تو خدا تعالےٰ کی بارگاہ عالی کی طرف چلنے والوں کی سیر و سلوک ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اس بیچوں اور بیچگوں تعالےٰ شانہٗ کے اور تیرے درمیان جیسی مسافت نہیں ہے۔ جو تیرے

سفر سے طے ہو جائے اور اس کے اور تیرے فیما بین جدائی نہیں ہے۔ جو تیرے وصل سے محو ہو جائے"

خواہشات کو سلوک کا میدان اس لئے کہا جاتا ہے کہ نفس ان خواہشات میں دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔ لہذا اگر یہ خواہشات نفسانیہ انسان کے اندر نہ ہوتیں تو سالکین کا اللہ کی طرف چلنا اور رستے کا قطع کرنا ہی نہ ہوتا۔ اس لئے کہ سیر الی اللہ اور سلوک کا حاصل ہی یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو حکمِ الٰہی کے تحت رکھنے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کرنے، اور جب یہ خواہشات کا میدان نہ ہوتا تو سلوک اور سیر الی اللہ کا وجود نہ ہوتا اس لئے کہ سیر اور سلوک جس کے معنی رستہ چلنے کے ہیں وہ تو یہاں مراد ہو نہیں سکتے کیونکہ یہ معنی تو جب ہوں جب خدا اور بندے کے درمیان کوئی مسافت ہو اور وہ مسافت بندہ کے چلنے اور سفر کرنے سے طے ہو، اور مسافت کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مسافت تو اجسام اور محسوسات کے درمیان ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات عالی اس سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ سے وصل کے معنی یہی یہی ہیں کہ اپنے نفس کے دعوے اور خواہشیں مغلوب کر دی جائیں۔ اگر بندے اور رب کے درمیان جدائی حسّی ہوتی تو سالک رستہ طے کر کے اس جدائی کو اٹھا دیتا اور اس سے جا ملتا۔ مگر یہاں جدائی حسّی نہیں جو وصل سے محو ہو جائے، کیونکہ حق تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید لہذا بُعد جو کچھ بھی ہے وہ نفس کا ہے اسی کو ہٹانا اور مغلوب کرنا ہے اور یہی مقامات سلوک طے کرنا ہے۔ اور اگر میدانِ عمل میں نفس کی غلامی ہی رہی، اور باہمی معاملات میں جھوٹ، بہتان، الزام، تحقیر کا مشغلہ رہا تو مقاماتِ سلوک کا طے ہونا محض خود فریبی ہے۔

غوطے تو لگا نے زمزم میں اور غرق ہیں حبِّ دُنیا میں
پانی کو بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے

اللھم ارزقنا حبک وحب حبیبک

(مدیر)

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا الخ

دنیا میں جانچنے کا عمومی ذریعہ جو اکثر انسانوں کا شعار رہا ہے۔ وہ ہے مادی ذرائع اور اسباب کیونکہ انسانی مادی چیزوں کو جانچنے کے لئے کسی اندرونی قوت یا باطنی روشنی کا محتاج نہیں ہوتا۔ مادی مال واسباب کو جانچنے کے لئے صرف مادی ذہن اور مادی نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے پاس ہے اور عمومی قاعدہ یہ رہا ہے اور یہ مرض بڑی حد تک دین سے دور جانے والے مسلمانوں میں بھی ہے کہ ہر کام کو وہ مادی فوائد یا مادی منافع کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ کام کرنے سے دنیا کے کتنے کام سنور جائیں گے یا کونسا طبقہ دنیا میں یا دولت میں آگے ہے اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اس سے دنیوی یا مالی فوائد حاصل کیے جائیں حقیقتاً یہ کوتاہ نظری ہے۔ اور یہی ایک بہت بڑا حربہ تھا جو بنیادی طور پر کفار نے دین کو روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو روکنے کے لئے استعمال کیا اگر انسان کو دنیا میں سہولیات میسر ہوں گے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہوتا ہے جسے اس کے ساتھ دین کی طرف رغبت بھی نصیب ہو، عموماً ہوتا یہ ہے کہ آدمی جو دنیا میں آسودہ حال ہو اکثر و بیشتر عاقبت کی طرف سے وہ بے فکر ہو جاتا ہے اور پھر جن لوگوں کو سرے سے دین کی خبر ہی نہ تھی جن کی ساری تگ و تاز ہی مادی منافع کے حصول کے لئے ہوتی ہے جو عظمت یاری سے ناآشنا تھے جنہیں دین کی طرف کسی نے دعوت ہی نہ دی۔

ان کا کیا حال ہوگا۔

ایک اصولی بات یاد رکھیں کافر کا دین بھی دنیا ہوتی ہے، جتنے مذاہب باطلہ ہیں آپ اُن پر نگاہ دوڑائیں اگر اُن کی تمام عبادات اور تمام رسومات مذہبی کے ساتھ بھی دنیوی فوائد اور دنیوی منافع کو جوڑ دیا گیا ہے یہ کام کروگے تو دنیا میں تجھے یہ حاصل ہوگا یہ کام کرنے سے یہ حاصل ہوگا، تو کافر کا جو دین ہوتا ہے مذہب ہوتا ہے وہ بھی دُنیا ہے حقیقتاً لیکن مومن کی سوچ اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے مومن کی دُنیا بھی دین ہوتی ہے بنیادی فرق یہ ہے کہ مومن جو کام دنیا کا کرتا ہے کھانا پینا کاروبار تجارت ملازمت صلح یا جنگ وہ بھی دین کے لئے کرتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔ اور اس پر بھی نہ اُسے صرف دنیاوی زندگی لبسر کرنی ہوتی ہے۔ بلکہ اصل میں وہ تعمیر آخرت میں مصروف ہوتا ہے۔

تو یہی اعتراض کفار نے اس دور میں کیا تھا جب اکثر غُرباء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ایمان لے آئے یہ دولت اُن لوگوں کو نصیب ہوئی تو کفار کہتے تھے۔ اَیُّ الفریقین خیراً مقاماً۔ ذرا دیکھ لو کون سی جماعت ان دونوں میں سے آسودہ حال ہے کس کے پاس اچھی جگہ بیٹھنے کی ہے کس کی مجلس پر رونق ہے کون دنیا میں امیر ہے کسی کے پاس دنیا میں دولت زیادہ ہے اگر یہ خدا کے مقرب ہوتے تو ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ فاقوں مرتے یا ان کا یہ حال ہوتا کہ ان کو گھروں سے نکال دیا گیا اور ہجرت پہ مجبور کر دیا گیا۔

اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے کیا دنیا میں صرف آج کا کافر ہی آسودہ حال ہے یا اس سے پہلے بھی بے شمار مخلوق ایسی گذری ہے جو کافر بھی تھے اور آسودہ حال بھی تھے ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور مخلوق سے سجدے کرائے اپنی عبادت کروائی پوری پوری دنیا پہ حکومت کی۔ ایسے بھی گذرے ہیں اور اکثر ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے ممالک پہ حکومت کی اُن کا کہا ہوا ہی صرف قانون ہوتا تھا بلکہ ایک مذہبی تقدس بھی اپنے ساتھ تھا لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں۔

وکم اھلکنا قبلھم من قرن

ان سے بہت بڑے بڑے مال میں اقتدار میں وقار میں دنیاوی شان وشوکت میں۔ ان کی

نسبت بہت بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں لیکن اُن کا انجام کیا ان کے سامنے نہیں ہے کیا اُنھیں ہلاک اور تباہ و برباد نہیں کر دیا گیا۔کیا وہ اپنے پیچھے عبرت کے نشان نہیں چھوڑ گئے۔ ان کی وہ دولت اُن کی وہ عیش و آرام اُن کے وہ محلات اُنہیں کس کام آئے اور انھیں کس شکل سے بچا سکے کچھ بھی نہیں۔

ایک اصُول فرماتے ہیں اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں قل من کان فی الضلالۃ جو شخص بھٹک جائے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ کو چھوڑ دے اللہ کریم اُس کے سامنے دیوار کھڑی نہیں کرتے کسی کو گھیر گھار کر اللہ کریم اپنے دروازے پر لے آئے ایسا نہیں کرتے، اگر ایسی بات ہوتی تو خُدا قادر تھا وہ کہہ دیتا جو ایمان نہیں لائے گا وہ سانس نہیں لے سکتا سانس رُک جائے گا جو ایمان نہیں لائے گا اُس کے حلق سے پانی نیچے نہیں اُترے گا۔ یعنی جو ایمان نہیں لائے گا۔ اُس کی آنکھ بند ہو جائے گی اُسے نظر نہیں آئے گا کوئی بھی پابندی اللہ کریم لگا دیتا تو وہ قادر تھا، لیکن ایسا مجبوری کا زبردستی کا ایمان عنداللہ مقبول نہیں خداوند کریم نے دو امور میں ہر شخص کو آزاد کر دیا ہے ایک زندہ رہنے کے لئے زندگی اُس کی عطا ہے اور جب تک وہ واپس نہ لے کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کی جان لے سکے۔ اللہ جل شانہٗ اس کی زندگی پوری فرمائے یا اللہ جل شانہٗ کی طرف سے وہ واجب القتل قرار پائے یا وہ ایجنسی یا وہ ادارہ وہ حاکم جس کا یہ منصب ہے وہ اس کو سزا دے ہر ایک کا یہ کام نہیں ہے زندہ رہنے کا ہر متنفس کو حق ہے۔

دوسرا حق جو رب العالمین نے انسان کو عطا فرمایا ہے وہ ہے مذہب اور عقیدہ اپنانے کا آپ کسی فرد پر بھی زبردستی مذہب نہیں ٹھونس سکتے۔کوئی ہو اپنی پسند سے جو مذہب جو عقیدہ وہ چاہے اپنا سکتا ہے یہ اللہ کریم کی طرف سے ہر شخص کو آزادی ہے یہ علیحٰدہ بات ہے کہ کس نظریہ پر کس طرح کے آثار مرتب ہوتے ہیں اس دنیا میں یا اس کے بعد اور یہ اس لئے آزادی دی اللہ کریم نے کہ انسان کو ایک شعور بخشا ہے ایک قوت ادراک بخشی ہے کہ وہ بھلے بُرے میں نیک و بد میں وہ خالق و مخلوق میں وہ دینے والے اور لینے والے میں امتیاز کر سکتا ہے۔ وہ جانچ سکتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے

اللہ نے اُسے یہ شعور عطا فرمایا ہے اور یہ شعور عطا فرما کر اُس کے سامنے اتنی وسیع کائنات پھیلا دی ہے کہ جس کا ہر ایک ذرہ عظمت باری پہ دلیل ہے ایک ایک پتّا اس کی صنعت کا گواہ ہے ہوا کا ایک ایک جھونکا اس کے قادرِ مطلق ہونے کی شہادت دیتا ہے کہ کوئی نہیں کرسکتا کہ کسی جھونکے کو کسی طرف پلٹ دے یا کہیں سے روک دے۔ کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا ماہر بھی ایک گھاس کا تنکا یا کسی درخت کا ایک پتّا بھی نہیں بنا سکتا قدرتی طور پر بھی اللہ ہی اُسے پیدا فرمائے گا کوئی شخص صنعت باری میں دخل نہیں دے سکتا اتنے واضح دلائل پھر ان کے ساتھ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا انبیاء نہ صرف حق بیان کرتے ہیں نہ صرف آخرت کی یا اللہ کی عظمت بیان کرتے ہیں نہ صرف دین بیان کرتے ہیں بلکہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک عجیب قوت رکھی ہے اللہ پاک نے کہ جو شخص بھی پیغمبر کے قریب ہوتا ہے۔ اس کا مزاج بدل جاتا ہے اس کی نگاہ بدل جاتی ہے اُس کا دل بدل جاتا ہے یہیں ایک واقعہ ملتا ہے کتاب اللہ میں۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے مقابلہ کے لئے کہا اور وقت مقرر ہو گیا فرعون نے تمام بلاد میں اپنے ہرکارے دوڑائے اور بہت بڑے بڑے جادوگر جمع کئے۔ جادوگری کا زمانہ تھا جادو بڑے زوروں پہ تھا۔ اُس نے پورے ملک سے چیدہ چیدہ جادوگر جمع کئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے، جب وہ سب حاضر ہوئے فرعون کے سامنے پیش ہوئے تو اُن کا مطمح نظر یہ تھا کہ فرعون سے کہہ رہے تھے ان لنا لاجراً ان کنا نحن الغالبین۔ یہ تو جناب بہت بڑا کام ہے جس نے تجھ جیسے شخص کو جو اپنی ربوبیت و الوہیت کا مدعی ہے اسے مصیبت میں ڈال رکھا ہے اور کوئی عام آدمی نہیں ہے کیونکہ فرعون عام آدمیوں کو یوں مسل دیا کرتا تھا جیسے چیونٹی مسل دی جاتی ہے۔ بلکہ وہ ایذا دے کر خوش ہوتے تھے فراعنہ نے عجیب سزا کے قاعدے رکھے ہوئے تھے، ایک تانبے کی گائے بنا رکھی تھی اُس کا پیٹ خالی تھا۔ اُس میں آدمی کو بند کر دیتے نیچے آگ جلا دیتے اس کی چیخیں سنتے تھے زندہ آدمی کو درخت کے ساتھ گاڑ دیا یا دیوار کے ساتھ گاڑ کر اس کے ہاتھوں میں میخیں گاڑ دیتے تڑپتا رہتا تھا۔ لٹکتا رہتا تھا کوئی دو دن بعد مرا کوئی چار دن بعد مر گیا۔ قرآن کریم بھی اُسے فرعون ذی الاوتاد میخوں سے لٹکا دینے والا فرعون۔

ایک جگہ پر فرماتا ہے۔
اُس وقت اُن کا مطمع نظر یہ تھا اُن کا ارادہ یہ تھا۔ اُن کی طلب اور اُن کی آرزو یہ تھی کہ وہ فرعون سے انعام کے طالب تھے ان لنا لاجراً ان کنا نحن الغالبین۔ اگر ہم جیت گئے تو انعام بہت بڑا لیں گے۔ اس نے واقعی وعدہ بھی کیا وہ کہنے لگا کہ تم میرے ساتھ دربار میں جگہ دوں گا اور تم میرے درباریوں میں سے ہو جاؤ گے۔ مصاحب ہو جاؤ گے، لیکن ہوا یہ کہ بہت بڑے میدان میں بے شمار لوگ جمع ہوئے۔ ایک جم غفیر جادوگروں کا بھی تھا فرعون کا تخت بھی تھا اُس کے ارکانِ سلطنت بھی تھے اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام جن کے پاس مادی وسائل نام کو بھی نہ تھے، ادھر شاہی خدام ہیں انہوں نے بھی سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں اُدھر اللہ کا نبی ہے جس کا لباس بھی بکری کے بالوں کے بنے ہوئے کمبل کا ہے، ایک دوشاخہ سی لکڑی ہاتھ میں ہے حضرت ہارونؑ ساتھ ہیں ایک طرف سلطنت ہے فرعون ہے اُس کا لشکر ہے، اس کے جادوگر ہیں اور اس کی رعیّت ہے تماشہ دیکھنے والے ہیں۔ دوسری طرف اللہ کے دو بندے جن کے پاس نہ جاہ و حشم ہے نہ مال و دولت ہے نہ کوئی اسلحہ ہے نہ کوئی افراد ہیں تو وہ جادوگر اس طرح سے نہیں کہ وہ کوئی موسیٰ علیہ السلام کو نبی سمجھتے تھے نبی نہ جانتے ہوئے بھی عظمت موسوی کے وہ قائل ہو گئے کہ یہ شخص ہے کوئی بہت بڑا آدمی جس نے فرعون کو بھی مصیبت میں ڈال رکھا ہے اگر جادوگر بھی ہے تو عام جادوگر نہیں ہے اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہوں نے اتنا سا احترام کیا کہ حضرت آپ پہلے اپنی لاٹھی ڈالیں گے یا ہمیں اجازت دیں گے کہ ہم اپنی رسیاں اور لکڑیاں جو ہیں سانپ اور اژدہا بنائیں۔

نبی نہ جانتے ہوئے بھی اس شخص کی جو اللہ کا نبی اور رسول تھا ایک عظمت اُن کے دل میں آگئی کہ یہ آدمی جو ہے نا آدمی عام نہیں ہے یہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اس کا ادب کیا جائے اس ایک لمحے نے اُن کا مزاج بدل دیا اس ایک چھوٹی سی بات نے ان کے قلوب بدل دیئے ان کے دل بدلے اُن کی سوچ بدل دی، زاویہ نگاہ بدل دیا یہ تو اُنہیں پہلے بھی خبر تھی کہ موسیٰ علیہ السلام لاٹھی پھینکتے ہیں اور وہ اژدہا بن جاتی ہے اور وہ بھی یہی پریکٹس کر کے آئے تھے کہ وہ لاٹھی کا اژدہا بناتا ہے تو ہم بڑے

بڑے شہتیروں کا اژدہا بنا دیں گے ۔ بہت بڑے بڑے رسوں کو سانپ بنا دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب گواہ ہے تو انہوں نے جب وہ اپنے منتر وغیرہ پڑھے تو بے شمار گیلیاں اور بے شمار شہتیر بڑے بڑے رسے جو تھیں وہ سانپوں کی طرح مخلوق کو نظر آتے تھے دوڑتے اور بھاگتے ہوئے۔

لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا پھینکا تو وہ تھی تو آپ کے ہاتھ کی لاٹھی ۔ لیکن وہ اتنا بڑا اژدہا بنا کر ان ہزاروں رسوں اور گیلیوں کو نگل گیا۔ اور پھر جب آپ نے ہاتھ میں لی تو وہ پھر اتنی ہی لکڑی تھی۔ لہٰذا وہی لوگ جو چند لمحے بیشتر فرعون سے انعام کے طالب تھے کیا صرف انہوں نے ہی تو یہ معجزہ نہیں دیکھا تھا۔ معجزہ تو فرعون نے بھی دیکھا تھا اس کی وہاں پوری جو جمع تھی مخلوق اس ساری مخلوق نے بھی دیکھا تھا لیکن اثر ان پر ہوا۔ اور سارے کے سارے سجدے میں چلے گئے

فرعون نے بڑا زور مارا وہ کہنے لگا کر مجھے اب پتہ چلا کہ یہ پہلے سے تمہیں آپس میں انڈرسٹینڈنگ تھی۔ اور یہ استاد تھا تمہارا سکھانے والا ہی یہ تھا تم اس کے ساتھ مل گئے ہو۔ لیکن یہ ساری دنیا جانتی تھی کہ یہ موسیٰ ہے جس کی پرورش ہی فرعون کے محل میں ہوئی ہے۔ استاد ہوتا تو تیرا ہوتا ان کا کہاں سے آگیا۔ تیرے پاس سے نکلا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس چلا گیا۔ اس قوم سے ان کی ملاقات ہی نہیں ہوئی جب واپس آیا تو اس میدان میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہے پھر وہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے بڑے لوگ تھے تو ان پر اثر ہوا وہ سجدے میں چلے گئے ۔ حالانکہ انہیں بتایا ہی کسی نے نہیں تھا کہ سجدہ کرنا کیسے ہے وضو کا طریقہ کیا ہے قبلہ کی سمت کیا ہے سجدے میں پڑھنا کیا ہے ۔ سجدہ کرنے سے حاصل کیا ہو گا ۔ اس دنیا کے بعد ہوتا ہے جو انہیں کسی نے نہیں بتایا تھا۔ نہ انہیں فرصت ہی ملی پوچھنے کی۔ جب فرعون نے کہا کہ تجھے جانتے ہو۔ لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف میں تمہارا ایک طرف کا بازو تو دوسری طرف کی ٹانگ کاٹوں گا ولاصلبنکم میں تمہیں کھجوروں کے تنوں میں پرو دوں گا اور تمہاری تڑپنے اور چیخوں کی آوازیں سیلوں سنائی دیں گی۔ وہ کہنے لگے

فاقض ما انت قاض

یعنی تیرا یہ ظلم تیری طرف سے ظلم ہوگا نتیجتہً تو ہماری امداد کرنے والا ہوگا کہ ہم حسب ذاتِ اقدس کے طالب بنے ہیں۔ تو ہمیں اُس کی بارگاہ میں پہنچا رہا ہے، تو سمجھتا ہے میں موت کی سزا دوں گا لیکن یہ سزا ہی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے یہ انعام بنے اب یہ بات اُنہیں کس نے بتائی۔ یہاں اگر دیکھا جائے تو بڑی تفصیل کے ساتھ انہوں نے آخرت پر اور لقائے الٰہی پر اور حشر نشر پر اُنہوں نے بحث کی ہے، فرعون کو بتایا ہے کہ موت، موت نہیں ہوگی، یہ زندگی کا زینہ ہے اور اس کے بعد ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہاں ہم اپنا انعام پائیں گے وہاں جئیں گے وہاں ہم رہیں گے۔ وہاں جب تو پہنچے گا تو وہاں تیرا حال دیکھنے کے قابل ہوگا

وہ ایک لمحہ جو اُن کے دل میں پیغمبر کی عظمت اور احترام کا آیا کہ یہ شخص بھی ایک عظیم انسان ہے اُس ایک لمحے نے اُن کے دل کو اُن کی سوچ کو اُن کی نگاہ کو بدل کر رکھ دیا۔ چند لمحے بیشتر وہ سوچ رہے تھے کہ اس ایک گوشت پوست کے ایک پتلے سے ہم نے کیا لینا ہے۔ لینا تو اس طرف سے ہے جس کا تخت بھی سونے کا ہے جواہرات سے مرصع ہے جس کے خدام اور نوکر چاکر بھی سونے سے لدے ہوئے ہیں۔ لیکن نبی کی عظمت جب دل میں آئی ادب سے اُنہوں نے نبی نہ جان کر کوئی عظیم انسان سمجھ کر کیا تھا لیکن اُس ادب کے ایک لمحے نے فیوضات و برکات نبوت سے سرفراز کر دیا اور بغیر کسی کے پڑھائے ہوئے وہ پڑھ گئے بغیر کسی کے سکھائے ہوئے وہ سیکھ گئے اور جو آخرت سے ناآشنا تھے انہوں نے اس تفصیل سے آخرت کے حالات بیان کئے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چلو باقی بات کو تو چھوڑو ان کے دل میں خوفِ خدا آگیا ہے ٹھیک ہے اُنہوں نے خدا کو مان لیا ہے۔ لیکن یہ بالتفصیل یہ ساری آخرت کی باتیں اُنہیں کس نے تعلیم دیں۔ وَعَلَّمْنٰہُ۔

انبیاء میں کمال یہی ہوتا ہے جب نبی کا قرب نصیب ہوتا ہے تو علم بھی آجاتا ہے

عمل بھی آجاتا ہے، سوچ بھی بدل جاتی ہے زاویہ نگاہ بھی بدل جاتا ہے اور پیامبر سے دُوری جو ہے وہ انسان کو صرف اور صرف مادی مال و دولت کی طلب میں لگائے رکھتی ہے اور انسان ساری زندگی دوڑتا رہتا ہے اور کبھی پورا نہیں ہوتا اور یہ توقع کوئی نہ کرے کہ اگر میں خدا کو پسند نہ ہوتا خدا کا پسندیدہ نہ ہوتا تو مجھے دولت نہ دیتا مجھے جائیداد نہ دیتا مجھے کوٹھی نہ دیتا مجھے جب اللہ نے سب چیزیں دے رکھی ہیں تو شاید میں ہی اس کا پسندیدہ آدمی ہوں۔ اللہ فرماتا ہے ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ جن پہ میرا قہر نازل ہوا ہے وہ تم سے پہلے دنیا میں امیر ترین لوگ بھی گزرے ہیں۔ ایسے بھی گزرے ہیں جن کے پاس بے حد و بے حساب دولت تھی کم اھلکنا قبلھم من قرنٍ ھم احسن اثاثاً و رئیاً کتنے کتنے مالدار صاحب جائیداد صاحب قوت و اقتدار تباہ ہو گئے اور عذاب الہٰی کی لپیٹ میں چلے گئے۔ ہوتا یہ ہے من کان فی الضلالۃ۔۔۔ مدّاً جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر محض دنیا داری میں بھاگنے لگتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں اسے

سامنے دیوار کھڑی نہیں کرتا ہوں، میں اسے بھاگنے دیتا ہوں جاؤ بھاگ۔۔۔۔۔ جاؤ آخر اس کا سرا بھی تو آہی جائیگا جس راستے پہ تُو دوڑ رہا ہے جس راستے پہ تُو چل رہا ہے یہ جس راستے پہ تو دوڑ رہا ہے جس راستے پہ تو چل رہا ہے یہ ابدالآباد چلتا تو نہیں رہے گا اس کا سرا بھی تو آئے گا تو جب آخر یہ پہنچے گا تو کیا پائے گا۔ اذا راوا ما یوعدون جب وہ اُس راستے کے آخر پہ پہنچتے ہیں تو پھر کیا دیکھتے ہیں امّا العذاب وامّا الساعۃ تو اُن کا منتظر ہوتا ہے اللہ کا عذاب قیامت کی سختی فیعلمون من ھو شر مکاناً و اضعف جنداً

پھر اُس وقت اُن کو پتہ چلے گا کہ کونسی جماعت مفلس و قلاش تھی کسی کے پاس بیٹھنے کا ٹھکانا نہ بھی نہیں ہے کسی کے پاس سر چھپانے کو جگہ بھی نہیں ہے اور کون سے لوگ ہیں جنہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

جن کے لئے کسی آنکھ سے آنسو نہیں ٹپکتا جن کے دل میں کوئی ٹھیس نہیں جن کے لئے کوئی دعا کے ہاتھ

بھی کھڑے نہیں کرتا۔ وہ لوگ کون۔ اور اللہ کی رضا اور اللہ کی پسند کامعیار یہ ہے۔

ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدیٰ

اللہ کے جو پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں انہیں اللہ ہدایت کی راہ پر آگے بڑھاتا ہے۔ نیکی اور تقویٰ میں آگے بڑھتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے قرب کی منازل میں آگے بڑھتے ہیں اور جل شانہٗ اُن پر اس رزق کو عام کر دیتا ہے جو بغیر عطائے باری کے کسی دکان سے خرید ا ہی نہیں جا سکتا ساری دنیا کو دے کر بھی ایک لمحے کے عذاب کو حشر میں کوئی دفع نہیں کر سکے گا اور ایک لمحے کے لئے برکات کو خرید نہیں سکے گا۔

اس دُنیا میں فرمایا بہترین حیات وہ ہے جن میں تقویٰ نیکی اخلاص اور اللہ جل شانہٗ کی اطاعت اور اللہ کے رسول کی اطاعت پائی جائے یہ دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ یہ دولت دونوں عالم میں انسان کو آسودگی و آرام عطا کرنے والی ہے اور یہی وہ نعمت ہے جس میں اللہ جل شانہٗ اپنے پسندیدہ لوگوں کو ترقی دیتا ہے اور زیادتی دیتا ہے بڑھاتا ہے۔

والباقیات الصالحات خیراً عند ربک ۔۔۔۔!

اور انجام کار نیکی اطاعت اللہ اور اللہ کے رسول کی اور اتباع رسالت ہی وہ نعمت ہے جو ضائع نہیں ہوتی۔ جس کا اثر دونوں عالم میں مرتب ہوتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور اس دُنیا میں بھی۔ اس دنیا میں اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اگر امیر ہو تو بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے انسان اگر صاحب اقتدار ہو اور اُسے نیکی نصیب ہو تو اس کا اقتدار بھی مخلوق کی بھلائی اور اپنے دل کے سکون کا سبب بنتا ہے اور اگر اُسے جیل میں بند کر دیا جائے تو بھی دیندار آدمی کا وقت جو ہے صبر شکر کے ساتھ کٹ جاتا ہے بے دین حاکم ہو تو بھی سلیپنگ پلز لئے

بغیر اُسے لمحہ بھر نیند نہیں آتی اس کے اندر اُس کے دل میں اُس کے باطن میں ایسا خوف چھا جاتا ہے تو واقعتاً حقیقتاً تو عذاب الٰہی کا خوف ہوتا ہے مگر وہ سمجھ نہیں پاتا کہ یہ مصیبت کیا ہے۔ وہ محافظ کھڑے کرتا ہے پہرے دار کھڑے کرتا ہے اہتمام کرتا ہے، پروٹیکشن اور سیکورٹی کے، لیکن ہوتا کیا ہے جب وقت آتا ہے تو سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور جن جیلوں میں داخل ہونا وہ پسند نہیں کرتا تھا کہ متعفّن جگہ ہے گندی جگہ ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کی جگہ ہے، وہاں رہنے والے چوہڑے اور بھنگی اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پھانسی پہ لٹکا دیتے ہیں خدا کی مرضی خدا قادر ہے وہ جب چاہتا ہے تو کسی کو عزت عطا کر دیتا ہے جب چاہتا ہے کسی کو ذلیل کر دیتا ہے جب پکڑ لیتا ہے تباہ کر دیتا ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيد۔

جب پکڑ لیتا ہے نچوڑ کے رکھ دیتا ہے اور اس کی عطا اتنی وسیع ہے کہ ساری زندگی کے جرائم کو وہ ایک لمحہ دھو دیتا ہے جب دل میں پیامبر کی عظمت آجائے، پوری زندگی کا بھٹکا ہوا انسان کسی لمحے اس طرف پلٹ آئے تو اللہ کریم قبول فرما لیتے ہیں اس کی عطا کا بھی کوئی حساب نہیں ہے۔

یعنی عذاب الٰہی میں جو شخص گرفتار ہوتا ہے بڑی محنت سے بڑی کوشش سے بڑی جدوجہد کرکے اپنا دامن اللہ کی رحمت سے زبردستی چھڑا کر عذاب میں کوئی شخص جاتا ہے اس طرف کتنی آسانیاں ہیں کتنی رحمت ہے کتنی بخشش ہے اور اس طرف کتنے مصائب کتنی تکلیفیں کتنی پریشانیاں ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو دُنیا میں بڑے عجیب واقعات ہوتے ہیں۔ انسان دیکھے، ہمارے پڑوس میں ایک عورت رہا کرتی تھی بوڑھی اور ضعیف سی تو وہ رشتہ دار

تھی اُس صاحب خانہ کی بڑی بوڑھی عورت تھی۔ اس کی بیوی کو ہم نے دیکھا اُسے مارتی بھی تھی کھانے کو نہیں دیتی تھی، تنگ کرتی تھی وہ بے چاری اُس سے چوری چوری کبھی ہمارے گھر آجاتی ہم کوئی شے اُس کو دے دیتے لیکن اس کی بہت بُری حالت ہوتی تھی آخر مر گئی۔ پندرہ بیس سالوں سے۔

اب کئی سالوں سے وہ عورت جو اس کو کھانے کو نہیں دیا کرتی تھی اب اُس کا اپنا یہ حال ہے کہ اس کی ٹانگ ٹوٹی وہ جڑنے میں نہیں آتی اُسے وہ مارتی تھی اسے اس نے مارا۔ اور کئی سال ہو گئے اگلے روز اُسے یہاں راولپنڈی سے پھرا کر لے گئے ہیں ٹانگ کسی جوڑ سے ٹوٹی ہے جڑتی نہیں جب پہلے ٹوٹ جاتی ہے کوئی چیز اسے کھلا دو فوراً قے ہو جاتی ہے کچھ بھی کھلا دو پانی پیئے گی قے ہو جائے گی کھانا کھائے گی قے ہو جائے گی، دوائی لے گی قے ہو جائے گی۔

میں کل ہی گھر میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ اُسے کھانے نہیں دیتی تھی اب وہ اسے کھانے نہیں دیتا۔ یہ اسے سزا دیتی تھی مارتی تھی کبھی سختی سے بلایا۔ کوئی تھپیڑ مار دیا اب اسے خدا نے ایسا مارا کہ جب حرکت کرتی ہے ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔

انسان اگر اپنے اردگرد بھی دیکھ لے تو بے شمار واقعات ایسے نظر آتے ہیں کہ انسان کو سمجھ آجاتی ہے۔ کہ اعمال کے نتائج کس طرح سے مرتب ہوتے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان کی نگاہ صرف مادی آسائشوں پر مادی منافع پر رہتی ہے اگر تعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہو جائے پھر یہ ساری باتیں واضح اور روشن ہو جاتی ہیں۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

رحمۃ للعالمین

ابوسعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی عظیم شخصیت کا وجود میں آنا بڑی عظمتوں، برکتوں اور سعادتوں کا موجب اور سبب ہوُا کرتا ہے اور یہ ساری برکات بالقوۃ تو اس ہستی کی ولادت کے ساتھ ہی پائی جاتی رہیں۔ مگر ان کا ظہور اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ بالفعل مشاہدے میں آنے لگتی ہیں اور انسانیت ان سے بہرہ ور ہونا شروع کرتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوُا کہ کسی عظیم شخصیت کی ولادت کا دن اس لئے یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے انقلاب کا سبب ہے۔ مگر حقیقت میں یادگار منانے کا دن تو وہ ہوتا ہے جب اس شخصیت کے انقلابی کام کی عملاً ابتداء ہوتی ہے اور انسانیت تھکی ہاری، پسی پٹی ہوئی انسانیت سُکھ کا سانس لیتی ہے۔ ایسی عظیم انقلابی شخصیتوں کے یادگاری دن منانا گویا انسان کے ایک فطری داعیہ کی تسکین کی صورت ہوتی ہے۔ مگر انسانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنی ایسی شخصیتوں کے یادگاریں منائی جاتی ہیں انہوں نے جو انقلابی، تعمیری، یا اصلاحی کام کیا وہ جزوی کام تھا اور انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو سے تعلق رکھتا تھا۔ دنیا میں اور دنیا کی تاریخ میں ایک اور صرف ایک ایسی عظیم شخصیت ہے جس نے انسانیت کو ہمہ پہلو انقلاب سے آشنا کیا، روحانی، جسمانی، فکری، عملی، معاشرتی، تمدنی، سیاسی، سماجی، علمی فنی، غرض زندگی کے ہر پہلو میں ہر شعبے میں ہر دائرے میں ایسا پائیدار انقلاب آیا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنا ممکن نہیں۔ اس لئے ایسی عظیم ہستی و شخصیت کی یادگار کیوں نہ منائی جائے۔ مگر ہماری سہل انگاری کے لئے یا کوتاہ اندیشی کو ہم نے اس کی یادگار منانے کے لئے اس روز کا انتخاب کیا جو بالقوۃ انقلاب لانے کا

دن ہے۔ اس روز کو ہم قابل التفات ہی نہیں سمجھتے جب اس کا انقلابی پروگرام بالفعل شروع ہؤا اور مشاہدے میں آنے لگا۔

یعنی یوم ولادت تو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر یوم بعثت کو ہم درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ اس کی ایک نفسیاتی وجہ ہے وہ یہ کہ یوم بعثت کے ساتھ ہی یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس نے اس روز سے بندوں کو اپنے ربّ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت بتائی اور ڈھنگ سکھانا شروع کیا۔ انسان کو اپنی ذات کے ساتھ معاملہ کرنے کا سلیقہ سکھانے کی ابتداء کی۔ آدمی کو آدمیت کے حقوق سے آشنا کرنے کی تعلیم دینا شروع کیا انسان کی زندگی کی حقیقت بتا کر یہ تربیت دی کہ زندگی کا وہ حصہ جو پیدا ہونے سے مرنے تک پھیلا ہؤا ہے اس کی حیثیت ذریعہ کی ہے اور جو مرنے سے شروع ہوتا ہے اور پھر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اس کی حیثیت مقصد کی ہے۔ اس نے یہ سکھایا کہ مقصد اور ذریعہ میں فرق سمجھو اور اسی تناسب سے دونوں کو اپنی توجہات کا مرکز بناؤ۔

مختصر یہ کہ یوم بعثت کے ساتھ کچھ پابندیوں کا تصوّر، تذکرہ اور تفصیل شروع ہو جاتا ہے اس کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ اس روز سے اس نے یہ سکھانا شروع کیا کہ یہ کرنے کے کام ہیں اور یہ نہ کرنے کے کام ہیں۔ اور پابندیوں سے نفس انسانی بچنا چاہتا ہے اس لئے ہم یہ نہیں چاہتے کہ اس کا یوم بعثت منا کر اپنے عیش کو متعفن کریں۔ لہذا سہولت اسی میں ہے، لُطف اسی میں ہے اور شو (SHOW) اسی میں ہے کہ اس عظیم ہستی کا یوم ولادت مناؤ، خوب جوش اور ولولے سے مناؤ چنانچہ ہم نے اس محسنِ کائنات کا یوم ولادت منانے پر ہی اکتفا کیا اور اس میدان میں ہم نے کئی روپ بدلے ہمارے بڑے بوڑھوں کو یاد ہو گا کہ ایک زمانہ تھا کہ ہم یہ دن بارہ وفات کے نام سے مناتے تھے اور منانے کا اسلوب یہ تھا کہ نہایت سادگی سے حسب توفیق کچھ کھانا پکایا۔ محتاجوں میں چپکے چپکے تقسیم کیا، کچھ تلاوت قرآن کی یا خود پڑھنا نہ آیا تو چند پڑھنے والے جمع ہو گئے، پڑھا اور ایصالِ ثواب کیا۔ بس یہی کچھ یادگار منانے کی صورت تھی۔

حالات بدلے خیالات میں افکار میں نظریات میں جدّت پیدا ہوئی اور ساتھ ہی موت سے ڈر پیدا ہونے لگا۔

بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکثر میں بھی ڈرتا ہوں
انہیں ڈر تھا گناہوں کا مجھے ڈر موت اپنی کا

تو وفات کے لفظ سے ہم ذرا گھبرانے لگے لہٰذا اس عنوان کو بدلنا ضروری سمجھا چنانچہ بارہ وفات کی جگہ میلاد کا عنوان پسند کیا گیا۔ اس عنوان کے تحت جو یادگار منائی جانے لگی اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ گھر میں اپنے عزیزوں کو احباب کو جمع کیا، کچھ تلاوت قرآن کا اہتمام کیا۔ کچھ خصوصی کھانے پکانے کا بندوبست کیا۔ اور ایک امر کا اضافہ کر لیا کہ قوالی کی صورت میں کچھ نعتیں بھی پڑھنے اور سنانے کا اہتمام ہونے لگا۔ یہ تھا میلاد

پھر جب اجتماعیت کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو "میلاد" کا عنوان اس وسعت نگاہ کے اظہار کے لئے ناکافی محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ میلاد کے ساتھ کسی لفظ کا اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ نیا عنوان "عید میلاد" تجویز کیا گیا۔ اور اب اجتماعی طور پر وسیع پیمانے پر یہ خوشی منائی جانے لگی۔

پھر وہ دور آیا کہ اس امر کا احساس ہونے لگا کہ لفظ "عید" کے ساتھ اسلام نے کچھ ایسے اعمال کو وابستہ کر رکھا ہے جن کا تعلق عبادت سے ہے مثلاً عید الفطر یا عید الاضحیٰ دونوں خوشی کے دن ہیں مگر ان دونوں کو منانے کا سلیقہ جو اسلام نے سکھایا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عام دنوں میں تم دن بھر میں پانچ مرتبہ اپنے رب کی ملاقات کے لئے اس کے حضور حاضری دیتے ان دنوں میں چھ مرتبہ جایا کرے تاکہ تمہارا تعلق اپنے رب سے اور پختہ ہو جائے۔ اس لئے میلاد کے ساتھ عید کا لفظ بڑھانے سے تو طبائع کا رُخ عبادت کی طرف موڑنا پڑے گا، اور یہاں طبائع کا حال یہ ہے کہ ایک ہی سبق یاد رہ گیا ہے

ع دنیا کے مزے لے لو دنیا تمہاری ہے

اس لئے عید کے لفظ کو بدلنا چاہیئے چنانچہ ترقی پسند دانشوروں نے عید کی جگہ جشن کا لفظ تجویز کیا اور اب "جشن میلاد" منایا جانے لگا۔ جشن کے لفظ میں اتنی وسعت ہے جتنی انسان کی نفسانی خواہشات میں یا انسانی تخیل میں بھی نہیں، لہٰذا جشن کے تقاضے پورے کرنے کے لئے پہلے تو یہ کرو کہ جس کا جشن منا رہے ہو اس کی صریح نافرمانی بلکہ مخالفت کرتے ہوئے اسراف اور تبذیر کا پورا پورا ثبوت دو۔

قمقمے جلاؤ۔ روشنیاں کرو۔ کیونکہ تمہارے اندر اندھیرا ہو چکا ہے۔ باہر کی روشنیوں سے باطن کی ظلمتوں کے احساس کو دبا دو اور ایک رات میں لاکھوں روپیہ مصنوعی روشنیوں پر خرچ کردو تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ؎

اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

پھر یہ کرو کہ جلوس نکالو گلی گلی ناچو گاؤ اور سینما اور ٹی، وی سے جو کچھ سیکھا ہے اس کی یہاں بھی مشق کرو۔ اونٹوں کو سجاؤ۔ ریڑھے پر کرسیاں بچھاؤ، عربی لباس میں ان کرسیوں پر "مقدس" ہستیوں کو بٹھاؤ، روضۂ رسول کی شبیہ بناؤ اسے کندھوں پر اٹھا کر گلی گلی پھراؤ تاکہ جشن کے تقاضوں میں سے کوئی تقاضا ادھورا نہ رہ جائے ؎

عید آزاداں شکوہ ملک و دین
عید محکوماں ہجوم مومنین

خیر یہ تو وہ مختلف روپ ہیں جو ہم نے اس محسنِ کائنات کی ولادت کی خوشی منانے کے لئے بدلے۔ گو ہم نے اس سلسلے میں نہ تو اپنے ساتھ انصاف کیا نہ اپنے محسن کے ساتھ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم اس کے احسانات کا تذکرہ کرتے، ہم اس کی نوازشات کی تفصیل بتاتے ہم اس کی عنایات کی فہرست اپنے سامنے رکھتے۔ ہم اس کے الطاف فراواں کا ذکر کرتے اور اس آئینہ میں اپنے کردار اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے مگر اپنے آپ پر تنقید اتنا آسان کام نہیں کہ ہر شخص اس کے لئے تیار ہو جائے یہاں تو ہر شخص کی خواہش یہ ہے کہ:

اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا

بہرحال اس محسن کائنات کے احسانات کا بیان کرنا چاہیئے۔ تو انسان یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کہاں سے شروع کرے اور کس کو چھوڑے اور کس کا بیان کرے۔ کیونکہ ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

کیوں نہ اس کا فیصلہ اس پہ چھوڑے جس کی تخلیق کا یہ شاہکار ہے۔ بقول غالب ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

خالق کائنات نے خود اپنے احسانات اور محسن کائنات کے احسانات کا تعارف ان الفاظ میں کرایا

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ؕ

یعنی خالقِ کائنات کا یہ انسانِ عظیم ہے کہ اس نے تم ہی میں سے ایک ہستی کو اپنا رسول بناکر بھیجا۔ اور محسن کائنات کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ اس نے تمہیں گمراہی کے عمیق گڑھے سے نکالا اور ہدایت کے وسیع میدان میں لاکھڑا کیا۔

اس نے تمہیں ظلمتوں کی پگڈنڈیوں سے ہٹاکر نور اور ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا اس کے اس انقلابی کام کی صورت کیا بنی۔ اول یہ اس نے تمہیں اپنے خالق کا پیغام اسی کے الفاظ میں پہنچایا۔ پڑھ کے سنایا پھر تمہیں اس کتاب کے الفاظ کا حقیقی مفہوم سمجھایا۔ پھر اس مفہوم کی عملی تعبیر خود کرکے دکھائی اور ۲۳ برس کی زندگی میں اس عملی تعبیر کا نمونہ تیار کرکے ایک مستقل معاشرہ وجود میں لایا، ایسا معاشرہ جس کو خود کائنات نے ایسا مثالی معاشرہ قرار دیا کہ خود خالق کائنات نے رہتی دنیا تک تمام انسانیت کو اس معاشرہ کی تقلید کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ یہ اعلان کیا کہ میری رضا چاہتے ہو تو اس کا صرف اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ میرے نبی کے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلو اس کے بغیر میری رضا کا حصول ممکن ہی نہیں

پھر اس نے صرف اس ظاہری انقلاب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے باطن کا تزکیہ بھی کیا، اور اس کی اس محنت، اس جدوجہد اور اس کی کوشش کی عظمتوں کو کونسی آنکھ دیکھ سکتی تھی، ان رفعتوں تک کس کا تصور اور خیال پہنچ سکتا تھا۔ اور ان کے باطن میں جھانک کر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں کتنا کھرا پن پایا جاتا ہے۔ محسنِ کائنات نے انسانوں کا جو تزکیہ کیا اس کا امتحان خود خالق نے لیا۔ اور اعلان کیا۔

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔ (یعنی انہیں تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور صفت تقویٰ ان کی ذات کے ساتھ چسپاں کردی گئی اور وہ اسی کے مستحق اور اسی کے اہل تھے۔

یہ ہے اس کے احسانات کا اجمالی بیان یہ دن منانے کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیتے کہ ہم نے اس کے احسانات کی قدر کیا تھی کیسے کی اور کس حد تک کی۔

مثلاً اس نے اللہ کی باتیں ہم تک پہنچائیں کیا ہم نے اللہ کی باتوں کو پڑھنے سمجھنے یاد کرنے اور ان پر عمل کرنے کا کوئی اہتمام کیا۔؟

سوچئے کیا اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی اور جواب ہے کہ

قرآن بھی پڑھ لیں گے ذرا پاس تو ہو لیں
والناس بھی پڑھ لیں گے ذرا ناس تو ہو لیں

اس نے اللہ کی باتوں کا اللہ کے الفاظ کا مفہوم حقیقی مفہوم بتایا، سمجھایا اور تعلیم دی۔ مگر ہم نے اس کتاب کے الفاظ کے ساتھ وہ ظلم کیا کہ کلر کی کرتے کرتے مفسر بن گئے اور ترجمان حقیقت کو یہ کہنا پڑا کہ

زمن بر صوفیؒ و ملا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفیٰ را

اس نے اللہ کے کلام کے مفہوم کی عملی تعبیر سکھائی ہم نے اس کا حق یوں ادا کیا کہ آج مسلمان کی شناخت ان اوصاف سے ہوتی ہے کہ مسلمان وہ ہے جو قاتل ہو۔ ڈاکو ہو، رشوت خور ہو، چور ہو، سمگلر ہو۔ یعنی یہ پانچ عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

اللہ کے گھر حاضری دینے کا وقت آیا تو ہم نے سینماؤں اور کلبوں کا رخ کیا۔ زکوٰۃ دینے کا وقت آیا تو ہم نے حلف ناموں کے ڈھیر لگا دئیے۔ کہ بخدا ہم وہ نہیں جن کو اللہ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

اس نے تزکیہ باطن کے طریقے سکھانے اور تزکیہ کا حق ادا کر دیا ہمارا حال یہ ہے کہ جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا۔ غیبت، تکبر، ریاکاری، ہیرا پھیری دھوکا بازی ہمارا طرۂ امتیاز بن چکا ہے

واقعی ہم معذور ہیں جب ہم نے زندگی کے ہر پہلو میں محسن کائنات کی مخالفت کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے تو جشن منانے کے بغیر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔

ع

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اخلاص

مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْن (القرآن)

سید علی شاہ

مذہب کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسان کے دل کو مخاطب کرتا ہے۔ اس کا سارا کاروبار صرف اسی ایک مضغۂ گوشت سے وابستہ ہے، عقائد ہوں یا عبادات اخلاق ہوں یا معاملات، انسانی اعمال کے ہر گوشہ میں اس کی نظر اسی ایک آئینہ پہ رہتی ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشہور حدیث میں یوں ظاہر فرمایا ہے:

الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

(متفق علیہ)

"ہشیار رہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے سنو! اور وہ دل ہے"

دل ہی کی تحریک انسان کے ہر اچھے اور بُرے فعل کی بنیاد اور اساس ہے۔ اس لئے مذہب کی ہر عمارت اسی بنیاد پہ کھڑی ہوتی ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے اس کا محرک کوئی دنیاوی غرض نہ ہو اور نہ اس سے مقصود ریا و نمائش، طلب منفعت، طلب شہرت یا طلب معاوضہ وغیرہ ہو۔ بلکہ صرف اللہ تعالے کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی ہو، اسی کا نام اخلاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے

فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین الا للہ الدین الخالص (زمر)

"تو اللہ کی عبادت کر خاص کرتے ہوئے

اطاعت گذاری کو اُسی کے لیئے،
ہشیار! کہ اللہ ہی کے لیئے ہے
خالص اطاعت گذاری "

مقصود یہ ہے کہ خدا کی اطاعت گذاری میں خدا کے سوا کسی اور چیز کو اس کا شریک نہ بنایا جائے، وہ چیز خواہ پتھر یا مٹی کی مورت، یا آسمان وزمین کی کوئی مخلوق یا دل کا تراشا ہوُا کوئی باطل مقصود ہو اسی لئے قرآن پاک نے انسانی اعمال کی نفسانی غرض وغایت کو بھی بُت پرستی قرار دیا ہے فرمایا: ارئیت من اتخذ الٰھہٗ ھواہ (قرآن)

" کیا تُو نے اس کو دیکھا جس نے
اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا
بنا لیا ہے "

چنانچہ اسلام کی یہ اہم ترین تعلیم ہے کہ انسان کا کام ہر قسم کی ظاہری و باطنی بُت پرستی سے پاک ہو رسول کو اس اعلان کا حکم ہوتا ہے۔

قل انی امرت ان اعبد اللّٰہ مخلصا لہ الدین وامرت لان اکون اول المسلمین ۰ قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۰ قل اللّٰہ اعبد مخلصا لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ (زمر)

" کہدے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں
اطاعت گذاری کو اللہ کے لیئے
خاص کر کے اس کی عبادت کروں
اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں
پہلا فرمانبردار بنوں، کہدے
کہ میں ڈرتا ہوں اگر اپنے پروردگار
کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب
سے، کہدے کہ اللہ ہی کی عبادت
کرتا ہوں اپنی اطاعت گذاری کو
اس کے لیئے خاص کر کے، تو تم
(اے کفار) خدا کو چھوڑ کر جس کی عبادت
چاہو کرو "

قرآن پاک کے سات موقعوں پر یہ آیت ہے۔ مخلصین لہ الدین اطاعت کو خدا کے لئے خاص کر کے اس سے معلوم ہوُا کہ ہر عبادت اور عمل کا پہلا رکن یہ ہے کہ وہ خالص خدا کے لئے ہو، یعنی اس میں کسی ظاہری اور باطنی بُت پرستی اور خواہش نفسانی کو دخل نہ ہو اور الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ یعنی خدائے برتر کی ذات کی خوشنودی کے سوا کوئی اور غرض نہ ہو۔۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے سلسلے میں ہمیشہ یہ اعلان کیا ہے کہ ہم جو

جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ہم کو کوئی دنیاوی غرض اور ذاتی معاوضہ مطلوب نہیں۔

وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین

"اور میں اس پر کوئی مزدوری تم سے نہیں چاہتا میری مزدوری تو اس پر ہے جو ساری دنیا کا پروردگار ہے"

دنیا میں بھی اخلاص ہی کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔ کوئی بظاہر نیکی کا کتنا ہی بڑا کام کرے لیکن اگر اس کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا ۔ ۔ مقصد اس کام سے کوئی ذاتی غرض یا محض دکھاوا اور نمائش تھا تو اس کام کی قدر و قیمت فوراً نگاہوں سے گر جائے گی، اسی طرح روحانی عالم میں بھی خدا کی نگاہ میں اس چیز کی کوئی قدر نہیں جو اس کی بارگاہ بے نیاز کے علاوہ کسی اور کے لئے پیش کی گئی ہو، مقصود اس سے یہ ہے کہ نیکی کا ہر کام دنیاوی لحاظ سے بے غرض و بے منت اور بلا خیال مزدوری و اُجرت اور تحسین و شہرت کی طلب سے بالاتر ہو، یہ تحسین و شہرت کا معاوضہ بھی دین تو الگ رہا دنیا بھی انہیں کو ادا کرتی ہے جن کی نسبت اس کو یقین ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا کام انہیں شرائط کے ساتھ انجام دیا ہے۔

ہم جو کام بھی کرتے ہیں اس کی دو شکلیں پیدا ہوتی ہیں ایک مادی جو ہمارے ظاہری جسمانی اعضاء کی حرکت و جنبش سے پیدا ہوتی ہے، دوسری روحانی، جس کا ہیولیٰ ہمارے دل کے ارادہ و نیت اور کام کی اندرونی غرض و غایت سے تیار ہوتا ہے، کام کی بقا اور برکت دین اور دنیا دونوں میں اسی روحانی پیکر کے حسن و قبیح اور ضعف اور قوت کی بنا پر ہوتی ہے۔ انسانی اعمال کی پوری تاریخ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہے اسی لئے اس اخلاص کے بغیر اسلام میں نہ تو عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اخلاق و معاملات عبادت کا درجہ پاتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت ہم اپنی نیت کو ہر غیر مخلصانہ غرض و غایت سے بالا اور ہر دنیاوی مزد و اُجرت سے پاک رکھیں، تورات اور قرآن دونوں میں ہابیل اور قابیل آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ ہے دونوں نے خدا کے حضور میں اپنی اپنی پیداوار کی قربانیاں پیش کیں، خدا نے ان میں سے صرف ایک کی قربانی قبول کی اور اسی کی زبان سے اپنا یہ ابدی اصول بھی ظاہر فرما دیا۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (مائدہ)

"خدا تو متقیوں ہی سے قبول کرتا ہے۔"

متقی بھی وہی ہوتے ہیں جو دل کے اخلاص کے ساتھ رب کی خوشنودی کے لئے کام کرتے ہیں۔ انہیں کا کام قبول ہوتا ہے اور ان کو دین و دنیا میں فوز و فلاح بخشا جاتا ہے۔ ان کو خدا کے ہاں محبوبیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور دنیا میں اُن کو ہر دلعزیزی ملتی ہے، ان کے کاموں کو شہرت نصیب ہوتی ہے اور ان کے کارناموں کو زندگی بخشی جاتی ہے وہ جماعتوں اور قوموں کے محسن ہوتے ہیں۔ لوگ اُن کے ان کاموں سے نسلاً بعد نسلٍ فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور ان کے لئے رحمت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں فرعونیوں کو ایک پیغمبر اور جادوگر کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ کہ ان دونوں سے انہوں نے عجائب و غرائب امور کا یکساں مشاہدہ کیا خدا نے فرمایا ان دونوں کے عجائب و غرائب میں ظاہری نہیں باطنی صورت کا فرق ہے۔ ایک کے کام کی غرض صرف تماشا اور بازی گری ہے۔ اور دوسرے کا نتیجہ ایک پوری قوم کی اخلاقی اور روحانی زندگی کا انقلاب ہے۔ اسی لئے یہ فیصلہ ہے کہ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ (طٰہٰ)

"اور جادوگر جدھر سے بھی آئے فلاح نہیں پائے گا"

چنانچہ دُنیا نے دیکھ لیا کہ مصر کے جادوگروں کے حیرت انگیز کرتب صرف کہانی بن کر رہ گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات نے ایک نئی قوم، ایک نئی شریعت، ایک نئی زندگی ایک نئی سلطنت پیدا کی، جو مدتوں تک دنیا میں قائم رہی۔

غرض عمل کا اصلی پیکر وہی ہے جو دل کے کارخانہ میں تیار ہوتا ہے اسی لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر کام سے پہلے دل کی نیت کا جائزہ لے لیا جائے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یہ نکتہ خود بخود حل ہو جائے گا کہ اسلام نے ہر عبادت کے صحیح ہونے کے لئے ارادہ اور نیت کو کیوں ضروری قرار دیا ہے

(بحوالہ سیرۃ النبیؐ)

سطور مندرجہ بالا سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خلوص کے بغیر کوئی عمل و فعل، عبادات ہوں یا معاملات کچھ بھی قابلِ قبول نہیں اور نہ ہی میزان خداوندی میں ان کا کچھ وزن ہے۔

تصوف دین کا وہ اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے

(باقی صفحہ ۴۱ پر)

تسہیل طریقِ سلوک

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ

عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے سب اختیاری ہیں۔ اور اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے کچھ نہیں تو یہ تو بظاہر معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی؟۔

فرمایا: کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات مگر لوگوں کو اس طرف التفات نہیں۔ حالانکہ اسی پر دارو مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا۔

عرض کیا گیا کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تو اس کی تدبیر اور علاج پوچھتا ہے تو اسے پھر بھی یہی کہہ دینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو۔ کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اسے توفیق ہی نہیں ہوتی۔

فرمایا: کہ دیکھنا یہ ہے کہ استعمال اختیار پر قادر ہے یا نہیں یا کمزور قادر ہے۔ ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جب استعمال اختیار پر قادر ہے تو ہمت کر کے اختیار کا استعمال کرے جب اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے ناکامی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے۔

عرض کیا گیا: کہ واقعی قدرت اور اختیار کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئی تو وہ اختیار مفید ہی کیا ہوا۔ کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت میں ہوتا یعنی عدم صدور اعمال۔

فرمایا: کہ جب علاج کیا جائے گا تب تو وہی بتایا جائے گا جو دراصل علاج ہے۔ رہی خود اس علاج کے استعمال کی دشواری موجب اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس وقت اسکا

رہا خود اس علاج کے استعمال کی دشواری موجب اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس وقت اس کا جواب دیا جائے گا۔

عرض کیا گیا۔ ایسے سوال کیا جاتا ہے؛

فرمایا: کہ اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں البتہ دشواری اور کلفت کا علاج یہ ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے بتکلف اور بہ جبر کام لیتا رہے۔ رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بہ سہولت ہوجائے گی۔ اور ساری ریاضت اور سارے مجاہدے بس اسی لئے کئے جاتے ہیں کہ اختیار اوامر اور اجتناب نواہی میں سہولت پیدا ہوجائے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزیں ماحاصل ہیں سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا کیونکہ اگر ہمت نہ ہوگی تو عمل نہ ہوگا اور اگر خلوص نہ ہوا تو عمل ناقص ہوگا۔ اگر ان دو چیزوں کو جمع کرلیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شیخ بھی بس ان ہی دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے اس ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ ہر کام شروع میں مشکل ہوتا ہے مگر کرتے کرتے مشق ہوجاتی ہے اور پھر نہایت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے، جیسے سبق شروع میں دشوار ہوتا ہے مگر رٹتے رٹتے یاد ہوجاتا ہے۔ اگر شروع کی تکلیف اور دشواری کو دیکھ کر ہمت ہار دی تو پھر کوئی صورت کامیابی کی نہیں ہے اور اگر برداشت کرلی تو چند روز کے بعد دیکھے گا کہ سہولت کے ساتھ وہ عمل ہونے لگا ع

چند روزے جہد کن باقی بخند

جب حضرت یہ فرما رہے تھے کہ اخلاص وہمت خلاصۂ تصوف ہیں تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا اخلاص بھی اختیاری ہے۔

فرمایا: کہ جب مامور بہ ہے (یعنی اس کا حکم دیا گیا ہے) تو ضرور اختیاری ہے۔ کیونکہ غیر اختیاری اُمور کے لئے شریعت نے مکلف ہی نہیں فرمایا۔ اور اختیاری کیوں نہ ہوتا۔ کیا گھی کا خالص رکھنا اختیاری نہیں۔ چربی نہ ملائے، تیل نہ ملائے بس وہ گھی خالص ہے۔ اور عبادت کے خالص رکھنے کو ہی اخلاص کہتے ہیں۔

عرض کیا گیا: کہ شیخ کی دعا و برکت کو بھی تو بڑا دخل ہے اصلاح میں۔

فرمایا: کہ برکت کا انکار نہیں، اس کا درجہ بھی تو متعیّن کرنا چاہیئے۔ اس کا مرتبہ ایسا ہے جیسا عرق سونف کا مرتبہ مسہل میں۔ کہ اس سے اعانت ضرور ہوتی ہے مسہل میں لکھ کر کیا محض محض عرق سونف بغیر مسہل کے کار آمد ہو سکتا ہے۔ اور مسہل کا کام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

عرض کیا گیا۔ کہ اس وقت تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعا و توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر اپنی حالت میں ہونے لگتا ہے۔

فرمایا۔ کہ مسہل میں ادھر عرق سونف پیا ادھر دھڑا دھڑ جلاب ہونے لگے تو کیا اس سے ثابت ہوگیا کہ اکیلا عرق سونف کافی ہوگیا ہے۔ حضرت! نری دعا و برکت سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک خود اپنے اختیار کو کام میں نہ لائیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بڑھ کر نہ کوئی صاحبِ برکت ہوسکتا ہے نہ مقبول الدعوات۔ حضرتؐ کے چچا ابو طالب کیسے جان نثار تھے حضرتؐ نے دعا بھی دل و جان سے کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اصرار بھی فرمایا۔ مگر چونکہ خود ابو طالب نے نہ چاہا۔ ایمان نصیب نہ ہؤا۔ بالکل طبیب اور مریض کی مثال ہے۔ اگر مریض دوا نہ پیئے تو کیا محض طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہو جائے گا؟ صحت تو اس کے نسخہ کے استعمال ہی سے ہوگی۔ اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو محض استاذ کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہو سکتا۔ یاد کرنے سے ہوگا۔

عرض کیا گیا۔ کہ شیخ کی برکت سے توفیق تو ہو جاتی ہے۔

فرمایا: یہ تو میں کہہ چکا ہوں برکت معیّن ضرور ہے کافی نہیں۔ اس کا دخل اعانت ہے دخل کفایت نہیں۔ یہاں تک کہ محض شیخ کی برکت تو ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ ہو سکتا ہے کہ محض ہمت اور استعمال اختیار کافی ہو جائے میں تو ان باتوں کو علی الاعلان کہتا ہوں خواہ مخواہ اپنے متعلقین کو اپنا مقیّد بنانا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کر سکے تو چشم ما روشن دلِ ماشاد، خوشی کا مقام ہے۔ کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہؤا۔

عرض کیا گیا۔ یہ تقریر کہیں اس کے خلاف تو نہ جائے گی ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق

(یعنی شیخ کے بغیر جو شخص راہِ عشق میں چل پڑا۔ اس کی عمر گذر جائے گی مگر عشق سے آشنا نہ ہوگا)
فرمایا۔ خلاف کیوں ہوتی یہ تو اور ہماری موئید ہے۔ آگاہِ عشق فرمایا یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہوگا۔
علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا۔ سو اس سے ہمیں کب انکار ہے۔ شیخ راہ بتائے گا۔ مگر اس کا مطلب
یہ تو نہیں کہ وہ گھسیٹ کرلے چلے گا۔ اندھے کو سوانکھا راہ بتاتا ہے۔ گود میں تو اٹھا کر نہیں لے
جاتا۔ راستہ تو قطع خود اس کے چلنے سے ہوگا۔ راستہ بتانا تو بے شک شیخ کا کام ہے لیکن اس
کا قطع کرنا تو سب ہی کا ذمہ ہے۔

حضرت نے پہلے ایک موقع پر بیان فرمایا تھا کہ الحمد اللہ میں تو طالب کو ایک جلسہ
میں خدا تک پہنچا دیتا ہوں کیونکہ مقصود کی حقیقت بتلا دینا گویا مقصود ہی تک پہنچا دینا
ہے۔ اگر کوئی راستہ بتلا دے اور دکھا دے کہ وہ چراغ جل رہا ہے سو یہ طالب کے اختیار
میں ہے قدم اٹھاتا چلا جائے مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اختیار کے متعلق استفسار پر
فرمایا۔ کہ اختیار تو بدیہیات بلکہ محسوسات میں سے ہے۔ اور بدیہیات اور محسوسات کے لئے
دلائل کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔ اختیار کا ہونا تو اتنا ظاہر ہے۔ کہ انسان تو انسان
جانوروں تک کو اس کا ادراک ہے۔ دیکھئے اگر کسی کتے کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے
والے پر حملہ کرتا ہے نہ کہ لکڑی پر۔ اس کو یہ بھی امتیاز ہوتا ہے کہ کون مختار ہے
اور کون مجبور۔ ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ جب وہ کوئی ناشائستہ حرکت
کرتا ہے تو اس کو خجالت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو مجبور سمجھتا تو پھر خجالت کیوں ہوتی لہذا
یہ یقینی ہے کہ انسان کو اختیار حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ اختیار اس قدر ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے
اندر صفت اختیار کو وجداناً اور طبعاً محسوس کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جو جبری ہیں وہ بھی محض قولاً جبری
ہیں وجداناً وہ بھی اختیار کے قائل ہیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی کنہ اور حقیقت
کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی مگر کسی شے کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لیکن اس کا وجود کا انکار نہیں کیا
جاسکتا۔ ضیاء اور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں لیکن اس کا وجود بالکل واضح اور مشاہدے
حضرت مولانا رومیؒ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر اور اختیار کو بیان
فرمایا ہے ؎ زاری ما شد دلیل اضطرار ☆ خجلت ما شد دلیل اختیار

اگر اضطرار نہیں تو یہ زاری کیوں ہے اور اگر اختیار نہیں تو اپنے کئے پر شرمساری کیوں ہے۔ غرض نہ خالص جبر ہے نہ خالص اختیار ہے۔ اختیار خالص نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ماتحت ہے اختیار حق کے۔ مستقل اختیار نہیں ہے۔ بہر حال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے۔ جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی اس صفت اختیار کو استعمال کرنا چاہیئے جب تک یہ نہ کرے گا اصلاح ممکن نہ ہو گی۔

مثلاً کسی میں بخل ہے تو کیا نرے ذکر و شغل یا شیخ کی دعا و توجہ سے یہ رذیلا زائل ہو سکتا ہے ہر گز نہیں۔ یہ رذیلا تو نفس کی مقاومت ہی سے زائل ہو گا۔ البتہ ذکر و شغل وغیرہ ہو جائیں گے مگر کافی ہر گز نہیں ہو سکتے۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ جا بجا اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں ؎

کار کن کار بگذر از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار

کام ہی کرنے سے کام چلتا ہے نری تمناؤں یا نری دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔

عرض کیا گیا۔ کہ بعض بزرگوں کی توجہ سے تو بڑے بڑے بدکاروں کی اصلاح ہو گئی ہے۔

فرمایا۔ یہ ایک قسم کا تصرف ہے اور ایسا تصرف نہ اختیاری ہے نہ بزرگی کے لئے لازم۔ بہت سے بزرگوں میں تصرف بالکل نہیں ہوتا۔ پھر تصرف کے اثر کو اکثر بقا بھی نہیں ہوتی کچھ دن کے بعد پھر ویسے کے ویسے (جس کی مثالیں سامنے ہیں) بخلاف اس اثر کے جو کہ ہمت اور اعمال کے واسطے سے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا۔ تو جب تک وہاں بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہاں سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا ؎

مورکھ نوں کی پند نصیحت پتھروں کی پالا
بھورے نوں جے کھم کرایا پھر کالے دا کالا

اور اعمال کے ذریعے جو اثر ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے کشتۂ طلا کھلا کر اپنے اندر حرارت غریزیہ پیدا کر لی تو وہ اگر شملہ پہاڑی پر بھی چلا جائے تب بھی وہ حرارت بدستور باقی رہے گی۔ اور

اصل نفع وہی ہے جو باقی رہتا ہے۔ غرض نری دعا و توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔

عرض کیا گیا: کہ جبلت تو کسی کی بدل نہیں سکتی پھر جبلی صفات رذیلہ کی اصلاح کیونکر اختیار میں ہو سکتی ہے

فرمایا: کہ تعجب ہے آپ کو ابھی تک یہ شبہات ہیں۔ یہ تو فرمائیے مادہ جبلی ہوتا ہے یا فعل بھی جبلی ہوتا ہے یہ تو مانا کہ مادہ اختیار میں نہیں ہے مگر فعل تو اختیار میں ہے۔ وہ تو جبلی نہیں۔ مادہ بے شک زائل نہیں ہوتا مگر اس کے مقتضا پر عمل کرنا نہ کرنا یہ تو اختیار میں ہے۔ اور اسی کا انسان مکلف ہے۔ اور بار بار اس مقتضا کی مخالفت کرنے سے وہ مادہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے پھر فرمایا یہ بڑے کام کی باتیں ہیں اور در اصل تعلیم کے متعلق یہی باتیں ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں۔ نہ علماء کے ہاں نہ مشائخ کے ہاں۔ تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے۔ اسی وجہ سے مدت سے اس کی حقیقت مستور چلی آتی تھی مگر الحمد اللہ اس وقت ایسی واضح ہو گئی ہے کہ کوئی خفا یا التباس باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بحمداللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ یا خلجان نہیں ہوتا نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں۔

ایک زمانہ میں حضرت نے طریق اصلاح کا خلاصہ ایک طالب کو جنہوں نے اپنے اندر صدہا عیوب کا ہونا بیان کیا تھا اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی تھی صرف استحضار اور ہمت تجویز کی تھی دونوں کا حاصل ایک ہے۔ اخلاص اور ہمت میں بھی اصل چیز ہمت ہے۔ کیونکہ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہو گی۔ اور ہمت کا معین استحضار ہے اور استحضار کی صورتیں مختلف ہیں جو صورت شیخ تجویز کر دے اس پر عمل کرے۔

اگر استحضار اور ہمت سے کام لے گا تو انشاء اللہ تعالےٰ کوتاہیوں سے محفوظ رہے گا۔

وما علینا الا البلاغ

ہمت اور جرأت ہی انسان کو بام عروج پر پہنچا دیتی ہے

نائب صدیدار
محمد یار ملک

تیرہ خاکم راسراپا نور کُن

اب تک میری زندگی کی تیئس ۲۳ بہاریں گذر چکی تھیں گورنمنٹ کالج تلہ گنگ سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کر چکا تھا۔ والدین کا اسرار تھا کہ گھر پر رہوں اور وسیع قابل کاشت رقبہ کی نگرانی اور حفاظت کروں کچھ افراد یوں بھی کہتے تھے پڑھ کر بیٹھ رہنا اچھا نہیں۔ یہ کام تو ایک ناخواندہ آدمی بھی سرانجام دے سکتا ہے۔ دراصل میری عملی زندگی کا یہ ایک اہم موڑ تھا۔ یہی موڑ مڑنا تھا۔ کہ عُنفوانِ زندگی سے جھلملاتے اور ٹمٹماتے مدھم سے تخیلات اپنی اصل اور حقیقت کی طرف مڑنے لگے۔ وہ کیا تھا جس نے مجھے سنّتِ نبویؐ پر عمل پیرا ہونا سکھایا۔ وہ کون تھا جس کی حُسنِ تربیت نے میرے اعمال کا دھارا یکسر بدل کے رکھ دیا وہ عمل بھی مجھ پر آسان ہوگیا جس پر آج نوجوان نسل طعنہ زنی کو اپنا شعار سمجھتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اگر میں یہ کہدوں کہ خواصوں میں بھی اس کی جھلک کہیں کہیں نظر آتی ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ اور وہ ہے ڈاڑھی کی شرعی حیثیت کا پورا کرنا۔ جس کی تکمیل مجھ ناکارہ سے ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔

ہوا یوں کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد کیمپ ایریا میں دو آدمیوں کو میں نے محو گفتگو پایا۔ وہ تھے نائک ٹی، ٹی (اب کیپٹن) حافظ غلام قادری صاحب اور میجر غوث صاحب۔ موضوعِ سخن کچھ ایسا تھا کہ کوششِ بسیار کے باوجود بھی اسے سمجھ نہ سکا۔ بعد میں پتہ چلا کہ صوفیوں کی باتیں ہوتی ہی عارفانہ ہیں۔ اور ظاہری علم کے پیمانے اس کی ہمسری نہیں کر سکتے۔ مجھے سمجھ تو بہت آئی۔ کہ میں نے کسی عارف باللہ سے تعلق اور راہِ رسم رکھتے ہوتے، کسی کامل کی شاگردی اختیار کی ہوتی، راہ سلوک کی پُر پیچ وادیوں کو عبور کرنے کا طریقہ سیکھا ہوتا۔ مگر میں تھا

کہ تصوّف کے نام سے بھی نابلد۔ اس لئے ایسے مردِ حق آگاہ کی ضرورت تھی جو مجھے باطن کی بلندیوں سے روشناس کراتا۔ میرے ظاہر اور باطن کو ایک کر دینے کی صلاحیت کا حامل ہوتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کاملین صوفیاءؒ سے استفادہ ضروری ہے اُن کے پاس ایسا نسخۂ کیمیا ہوتا ہے جس کے طفیل ظاہر و باطن ایک ہو جاتے ہیں خیالات و عقائد کا ہی تزکیہ نہیں ہوتا بلکہ باطن کا تزکیہ بھی ہو جاتا ہے روح کو خوراک ملنی شروع ہوتی ہے اور اس میں قوتِ پرواز پیدا ہو جاتی ہے نئے ذہنوں میں یہ سوال ہوگا کہ وہ نسخہ جو اتنا قیمتی ہے کیا ہے؟ وہ "ذکر اسم ربک و تبتّل الیہ تبتیلا" کی عملی تفسیر ہے۔ اسی کی بدولت انسان "قد افلح من تزکیٰ" کی معراج کو پہنچتا ہے، جہلا کو یہ کہتے ہوئے آپ نے اکثر سنا ہوگا جب کبھی انہیں نماز کی ترغیب دی جائے کہ نماز دل کی ہوتی ہے۔ بس دل پاک ہونا چاہیئے کیا صرف یہ کلمات کہہ دینے سے دل پاک ہو جاتا ہے جبکہ نہ نماز پڑھی جائے نہ اعمالِ صالحہ کی طرف قدم بڑھایا جائے اور نہ ہی اسمِ ذات کا ذکر کیا جائے بلکہ یہ جاہلانہ کلمات

ہیں جو "ختم اللہ علیٰ قلوبھم" کی نشاندہی کرتے ہیں۔

تزکیۂ نفس کیا ہے وہ یہ ہے کہ غیر شرعی اُمور سے بچنے کی قوت پیدا ہو جائے دل اعمالِ صالحہ و اعمالِ ایمانیات سے اس قدر مونس ہو جائے کہ چھوٹی چھوٹی غلطی بھی پہاڑ نظر آنے لگے اور خود کو اس کی سزا کا متحمل نہ سمجھتے ہوئے اسے ترک کر دے۔ چونکہ تزکیۂ باطن شیخ کا محتاج ہے۔ اس لئے ہر آدمی کو ایک ایسے کامل کی ضرورت ہے اور ضرورت رہے گی۔ جو دونوں علوم میں دسترس رکھتا ہو۔ ایسا شخص واقعی تربیتِ سالک کے فن سے واقف ہوتا ہے ایسے بزرگوں کی تربیت سے ایسا گوہرِ نایاب ملتا ہے کہ اگر کسی کے قبضے میں پوری دنیا کی بادشاہی اور اس کے خزانے آجائیں تب بھی وہ ان کو حاصل نہیں کر سکتا یہ صرف اولیاء اللہ کی جوتیوں سے ملتے ہیں چند واقعات پیش کرتا تاکہ بزرگوں سے ملنے والے فیض کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ علیہ فرماتے ہیں:۔۔

اگر کوئی سچا طالب چالیس روز متواتر تمام شرائط کے ساتھ اتباعِ نبویؐ پر عمل کرے انشاء اللہ

اس پر مکاشفات کے دروازے کھل جائیں گے سب سے پہلے انوار روحانی اور کواکب روحانی دیکھنے میں آئیں پھر فرشتوں کا مشاہدہ ہوگا پھر صفات کا مشاہدہ ہوگا۔ ان کے واسطے سے سالک پر بعض حقائق کھلنے لگیں گے یہ تمام ذکر ہی کا ثمرہ ہے

(دلائل السلوک ص۶۵)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اے راہِ آخرت کے مسافر تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ یہاں تک کہ وہ تجھ کو پڑاؤ پر پہنچا دے راستہ پھر اس کا خادم بنا رہ۔ اس کے ساتھ حسنِ ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو، کہ وہ تجھے واقف کار بنا دیگا۔ اور خدا کے قریب پہنچا دے گا اس کے بعد تیری شرافت صداقت دیکھ لینے کی وجہ سے تجھ کو راستہ میں نیابت عطا کرے گا۔ یعنی تجھ کو قافلہ میں سردار اور اہلِ قافلہ کا سلطان بنا دیگا۔ پس تو قائم رہیگا یہاں تک کہ تجھ کو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گا اور تجھ کو آپؐ کے حوالہ کر دے گا۔ پھر آپؐ کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو نائب بنا دیں گے قلوب کیفیات اور معنی پر، پس حق تعالےٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر اور نبی صلعم کا حاضر باش اور خدمت گار بن جائے گا کہ کبھی مخلوق کی طرف آئے گا اور کبھی خالق کی طرف۔ یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے ہوتی ہے، جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے (دلائل السلوک ص۶۸)

شیخ المکرم سرتاج الاولیاء حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اس ناچیز کا طریقہ یہی ہے کہ اولاً اپنے ہاتھ پر بیعت طریقت کبھی نہیں لی (ابتدائی ایام میں ایسا ہی تھا۔ آخری ایام میں آپ بیعت طریقت یا ظاہری بیعت لیتے تھے) صرف تعلیم دیتا ہوں اور ابتدائی منازل طے کرا کے دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیتا ہوں جو تمام جہان کے پیر ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ

کافی نہیں کہ پیر صاحب فرمائیں کہ تو تمہیں دربار نبوی ؐ میں پہنچا دیا، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سالک خود مشاہدہ کرے کہ منازل سلوک طے کر رہا ہے۔ اور دربار نبوی صلعم میں پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مقدس پر بیعت کر رہا ہے اگر کوئی مدعی دربار نبوی ؐ تک رسائی نہیں رکھتا پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے ماخوذ ہوگا۔ پس کامل و ناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو (دلائل السلوک ص۶۶)

سلوک کی ابتداء لطائف سے ہوتی ہے۔ لطائف کے راسخ ہو جانے کے بعد منازل سلوک کی باری آتی ہے لیکن موجودہ زمانے کے اکثر پیر صاحبان اور گدی نشین علوم باطنیہ اور معارفِ الٰہی سے ناآشنا ہیں۔ پھر بھی لوگ انہیں چمٹے ہوئے ہیں۔ پیر صاحب کبھی یہ سچ نہیں بتاتے کہ میاں جس چیز کے تم متلاشی ہو اس کا وجود میرے پاس نہیں، میں نے تو تعویذ گنڈوں کا کاروبار سنبھال رکھا ہے اس سے آگے روحانی تربیت اور روحانی منازل نہیں کرا سکتا۔ اس کے برعکس ہوتا یہ ہے حلقۂ مریدین کی وسعت پذیری کے لئے کوششیں ہوتی ہیں۔ اور اپنے نام کے ساتھ بڑی معصومیت سے قطب زماں اور قطب دوراں لکھ دیتے ہیں۔ یہ علوم باطنیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے، ان کی بیعت، بیعت شریعت و وسیلت کے لئے ہوتی ہے، بیعت طریقت کے اعتبار سے وہ بالکل ناقص ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مریدین پوری پوری زندگی پیر کی چوکھٹ پر نثار کر دیتے ہیں اور کرتے ہیں۔ مگر ظلم یہ ہے کہ انہیں کوئی ایک لطیفہ بھی منور نہیں کرانا اور نہ ہی ان میں اہلیت ہے، نہ اکلیت، اس لئے بیعتِ طریقت کے اعتبار سے وہ ناقص ہیں۔ اگر ان کے متوسلین میں سے کسی شخص کو بطور تحدیث نعمت یہ کہا جائے کہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر ذکر و۔ انشاء اللہ تمہیں وہ کچھ نصیب ہوگا جو آپ کے وہم و گمان بھی نہ ہوگا وہ ہے بیعتِ روحانی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر نصیب ہوتی ہے۔ مگر وہ اس انعام کو ٹھکرا دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اپنے پیر کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیئے، اندھی تقلید کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔ ساری عمر میں جس نے تمہیں لطائف نہیں کرائے آپ کا قلب جاری نہیں کرایا آخر آپ کس نفع کی اُمید لگا کر بیٹھے ہیں۔ آیئے

آپ کو صحیح اسلامی تصوف سے روشناس کرادوں تمہارے لطائف بھی منور ہو جائیں گے منازل سلوک بھی، خوب جان لیں کہ یہ چیزیں عرس منانے قوالی کی محفل منعقد کرنے، میلاد کا جلوس نکالنے سے حاصل نہیں ہوتیں اور نہ ہی علوم ظاہریہ یا ناقص مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہیں بلکہ اس کے لیئے شیخ کامل کی ضرورت ہے، علوم ظاہریہ پر اکتفا کرنے والوں کے لئے اکبر الہ آبادی سے پوچھتے ہیں ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں
ہم کو آدمی کی ہے تلاش
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اپنے موضوع کو پلٹتے ہیں میں گذشتہ سطور میں بتا چکا ہوں کہ دو آدمیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو نہ سمجھ سکا تھا۔ اس وقت ایک عجیب اضطراب مجھ پر چھایا تھا، میں یہ کیفیت دور کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ کیفیت کم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ میں نے حافظ غلام قادری صاحب کو کچھ دیر بعد علیحدگی میں دیکھا تو دوڑا دوڑا اُن کے پاس پہنچا۔ حافظ صاحب یہ کیا بات چیت ہو رہی تھی میں نے سوال کیا؟ جواب چھوٹا مگر معنی خیز تھا کہ ظاہری حکومت کی طرح باطنی حکومت بھی ہوتی ہے اور تمام اولیاء کرام کی روحیں روضۂ اطہر پر حاضر ہوتی ہیں، فیض و احکام حاصل کرتی ہیں۔ دنیا میں رونما ہونے والے واقعہ کا فیصلہ پہلے باطنی حکومت کر دیتی ہے" اس کے جواب سے ایک نئی دنیا کے وجود کا اشارہ ملا۔ جس کے انکار پر آج علماء کی ایک کثیر تعداد تلی ہوئی ہے۔ میرے دل میں بھی ایک خواہش نے انگڑائی لی کہ اس باطن کی دنیا کا کچھ علم حاصل کیا جائے، میری کیفیت کو بھانپ کر محترم حافظ غلام قادری صاحب فرمانے لگے، ہاں ہاں شام کو مسجد میں ذکر ہوگا، آجانا آپ کو بتا دوں گا اس پیش کش کو میں ٹھکرا نہ سکا اور مغرب کی نماز کے بعد کچھ احباب پھر صفوں میں بیٹھنے شروع ہوئے بیٹھنے کے بعد مجھ جیسے نو واردوں کو ذکر بطریقہ پاس انفاس سمجھایا گیا گویا وہ ذکر میں شمولیت کا میرا پہلا دن تھا۔ ذکر میں ایک عجیب ترنگ تھا دورانِ ذکر بعض کلمات سے ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑا جا رہا تھا، اور ماضی کی معصیتوں سے تائب ہو کر وحدہٗ لاشریک کے در پر حاضری کا خوگر بنایا جا رہا تھا۔ بحمد اللہ ایسا ہی ہوا ہمیں اس کوچہ کی شناسائی نصیب ہوئی جس کا تصور بھی نہ تھا

یا یوں سمجھئے کہ سرے سے گوشہ وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ اس ظلمت کدہ میں خصوصاً اس دورِ ظلمت میں ہمیں ایسے ہادی برحق میسر آئیں گے جو ہمارے دل کی کدورتوں کو صاف کر کے ہمارے دلوں کو ذاکر بنا دیں گے۔ اس پر مستزاد یہ کہ منازلِ سلوک بھی طے کرا دیں گے۔

ذکر شروع کرنے کے کچھ عرصہ بعد محترم حافظ صاحب نے فرمایا کہ احدیت کے لئے حاملِ سنّت ہونا ضروری ہے چنانچہ بغیر کسی تردّد کے میں نے یہ عزم کر لیا کہ آنے والے جمعہ سے اس کی ابتدا کروں گا۔ چنانچہ اس جمعہ کو نہ صرف داڑھی کی ابتدا ہوئی بلکہ سگریٹ پینے کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اسی دن سے دینی معاملات میں بے ضابطگی کے قلعے مسمار ہونے لگے۔ یہ صرف ذکر کا فیض ہے۔ کہ بادِ مخالف کے جھونکوں کی قطعاً پرواہ نہیں رہی تھی چونکہ یہ معاملہ دینی تھا اور خالص رضائے باری کے لئے تھا اس لیے ایسا کرنے کا مکلف تھا۔ دینی فرائض کی بجا آوری میں کسی مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی بلکہ اللہ تعالےٰ کے احکام کی بجا آوری کو اور اہمیت دینا ضروری ہے کہ کوئی تعلق، کوئی کام اس کی تکمیل سے باز نہ رکھ سکے۔

میں اُن بندگانِ خدا کو واشگاف الفاظ میں عرض کروں گا جو دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں لیکن حالات و واقعات ان کا ساتھ نہیں دیتے وہ ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں آ جائیں انہیں وہ وقت ذکر بطریقہ پاس انفاس کرایا جائے گا اور اس پر دوام کی قید لگائی جائے گی پھر وہ خود دیکھ لیں گے کہ شریعت کی تابعداری میں کیا مزا ہے وہ نہ صرف خود اچھے اعمال کرنے والے بن جائیں گے بلکہ انہیں دوسروں کی فکر لاحق ہو جائے گی کہ خدا تعالےٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کا تعلق خالق سے قائم کرایا جائے اس موقعہ پر یہ کہنا مناسب ہو گا کہ

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

اللہ اللہ کرنے والوں کے لئے خدا کی یاد ایسی حرزِ جان بن جاتی ہے کہ اس کے بغیر ان کی زندگی بے رونق ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی بڑی سے بڑی مصروفیت کو بھی چھوڑ کر چند گھڑیاں یادِ خدا میں گزارنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اس ذکر کی بدولت انہیں کچھ شب بیداری بھی نصیب ہو جاتی ہے، اگر کسی کو طلبِ صادق ہے کہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی منازل حاصل ہو جائیں یا اس سے آگے کی منازل جہاں تک اللہ کریم چاہیں طے کرنا چاہے تو ہمارے سلسلے کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔ اور انشاء اللہ ایسے قوی

اور یا ہمت صاحب منصب افراد موجود ہیں جو آپکی تربیت کر سکتے ہیں اور آپ کو ایسے خدا رسیدہ کے قدموں میں پہنچا دیں گے جو آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی بیعت سے مشرف کرا دیں گے، جس کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے وہ خود کو خوش نصیب گردانتا ہے، تو کیا یہ خوش نصیبی اس سے کم ہے کہ بقائم ہوش و حواس کسی کو روحانی بیعت نصیب ہو جائے اور اس کو اپنی باطن کی آنکھ سے دیکھ بھی لے۔ بفضل اللہ بیسویں صدی میں اللہ کریم نے سرتاج الاولیاء حضرت مولانا اللہ یار خانصاحب دامت برکاتہم کو بھیجا جنہوں نے نور معرفت سے تشنگانِ معرفت کو سیراب کیا اور خوب سیراب کیا اور ہزاروں کی تعداد میں اپنے متوسلین کو قرب خداوندی کی منزلیں طے کرائیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دوسرے سلسلوں میں سالک المجذوبی منتہی منزل ہے جبکہ میرے مبتدی کو یہ درجہ حاصل ہے جو دولت پہلے شیخ مکرمؒ کے طفیل ہر خاص و عام میں بٹتی تھی وہی دولت آج مولانا محمد اکرم صاحب مناروی کو تقسیم کرنے کی اجازت ملی۔ یہ کوئی آسان کام نہیں کہ چودہ سو سالہ مسافت پاٹ کر کسی کو دربار نبویؐ میں کھڑا کر دیا جائے۔ اور اس بیعت روحانی کرادی جائے۔ ان کے علاوہ دنیا بھر میں کوئی شخص موجود نہیں جو یہ منازل کرا سکے مجھ ناکارہ کو یہ سعادت ۱۹۷۲ء میں منارہ کے سالانہ اجتماع کے دوران استاد الاولیاء حضرت مولانا اللہ یار خانصاحب نوراللہ مرقدہٗ کے طفیل نصیب ہوئی۔

صرف مجھے ہی نہیں بلکہ جماعت کے ہر شخص کو یہ سعادت اسی مقام پر نصیب ہوتی رہی اس سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ اس جگہ کو خصوصی شرف حاصل ہے اور رہے گا۔ اس شرف کی اہمیت کے لئے حضرت شیخ المکرم کا ہر سال وہاں چالیس یوم کا تزکیہ نفس کا پروگرام رکھنا کافی ہے پھر دارالعرفان جس کا سنگِ بنیاد اسی ہستی کے دست مقدس سے رکھا گیا۔ کیا حادثاتی اور واقعاتی طوفان یا بادِ مخالف کے جھونکے اس کی اصلی حیثیت اور منفعت کو کم کر سکتے ہیں۔

خیال است و محال است کے مصداق

ماہنامہ المرشد چکوال کا
چندہ سالانہ ۴۵/-
فی پرچہ صرف ۴ روپے

دیکھتا چلا گیا

سیلانی کے قلم سے

۱۔ ۸ر دسمبر ۱۹۸۴ء کے نوائے وقت میں نہایت جلی عنوان سے جناب صدر کا ایک اعلان شائع ہؤا۔

الفاظ یہ ہیں:

"گمراہ لوگ منافقت ترک کر کے دائرۂ اسلام
میں داخل ہو جائیں۔ کلمۂ رسول پہ صحیح معنوں میں
ایمان لے آئیں"۔

اس اعلان کے تینوں جملے دراصل عمومی تبلیغ اسلام کے لئے تین اصولی اُمور ہیں۔ مگر اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ غالباً صدر محترم کی نگاہ میں یا آپ کے علم میں ایسے لوگ آئے ہیں جو گمراہ بھی ہیں اور منافق بھی۔ اس لئے آپ نے حضور اکرمؐ کے فرمان الدین النصیحۃ کہ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے کے مطابق ایسے لوگوں کی خیر خواہی کے لئے یہ تین مطالبے کئے۔

۱۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے اس کا اعلان تو ربّ العٰلمین نے اپنی آخری کتاب میں ان الفاظ میں فرمایا کہ ادخلوا فی السلم کافۃ یہ حکم منافقت پر کاری ضرب ہے کیونکہ منافق کی زبان پر اسلام کا نام ہوتا۔ دل اور عملی زندگی اسلام کے خلاف ہوتی ہے۔

اس لئے صدر محترم کا یہ مشورہ یا حکم کہ دورنگی چھوڑو اور جب نام مسلمانوں کے رکھے ہیں تو دل و جان سے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

۲۔ کلمۂ رسول پر صحیح معنوں میں ایمان لائیں۔

یہ مطالبہ خود ظاہر کرتا ہے کہ جو لوگ "کلمہ رسول" پر صحیح معنوں میں ایمان نہیں لاتے وہ دراصل گمراہ بھی ہیں اور منافق بھی۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اس ملک میں ایسے لوگ بھی بستے ہیں جنہوں نے کلمہ رسول کو ناکافی اور نامکمل سمجھ کر اس کے ساتھ پچریں لگا کر ایک جعلی کلمہ بنا رکھا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتے ہیں یا نہیں، بلکہ دوسروں سے منواتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب وہ کلمۂ رسول کو کلمہ سمجھتے ہی نہیں تو اس پر صحیح معنوں میں ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کلمۂ رسول تو اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اور اسلام میں داخل ہونے کا صرف یہی ایک دروازہ ہے۔ اگر یار لوگوں نے دروازہ کوئی اور ڈھونڈ لیا ہے تو اس دروازہ سے وہ جس مکان میں داخل ہوتے ہیں وہ اسلام نہیں کوئی اور مکان ہے۔ اس لئے صاحبِ صدر کی اس بات پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب یہ جعلی کلمہ غیر قانونی قرار دیا جائے تاکہ کلمہ رسول پر صحیح معنوں میں ایمان لانے کا دروازہ کھلے۔ یا ان لوگوں کو اس منافقت سے روکا جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا تکلف دُور کر دیں۔

۳۔ قرآنِ حکیم کو اللہ کی آخری کتاب کے طور پر مانیں۔

بات درست ہے مگر قرآنِ حکیم سے مراد کیا ہے کیا اس سے مراد اللہ کی وہی آخری کتاب ہے۔ جو الحمد سے شروع ہو کر والناس تک مکمل ہوتی ہے اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک مسلمان پڑھتے اور پڑھاتے چلے آرہے ہیں۔ اگر قرآن حکیم سے مراد یہی کتاب ہے تو مسلمان اسے واقعی اللہ کی آخری کتاب مانتے ہیں۔

مگر اس ملک میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے آپ مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر اس قرآنِ حکیم کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ :۔

(۱) جو قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ موجودہ قرآن تو اس کا ایک تہائی کے قریب بنتا ہے۔

(۲) موجودہ قرآن میں ترتیب بدل دی گئی ہے۔

(۳) آیات بدل دی گئی ہیں۔

(۴) کلمات بدل دیے گئے ہیں۔

(۵) کمی بیشی کی گئی ہے۔

(۶) جو اس قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا وہ مسلمان ہی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن حکیم موجود ہی نہیں تو اس کو اللہ کی آخری کتاب کیونکر مانیں۔ جناب صدر اس معمّہ کو حل کریں۔ یا تو انہیں باور کرائیں کہ یہی قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس لئے اسے مانو۔ اور اگر انہیں باور نہ کرا سکیں یا وہ یہ حقیقت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور انہیں ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ ان کے مذہب کے بنیادی عقائد میں یہ عقیدہ شامل ہے کہ یہ قرآن وہ نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ تو کم از کم صدر صاحب کو یہ اعلان تو کر دینا چاہیئے کہ:۔

جو شخص کلمہ رسول کو ناکافی سمجھتا ہے اور اس قرآن حکیم کو اللہ کی آخری کتاب ماننے کے لئے تیار نہیں اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تاکہ گمراہی اور منافقت کی حقیقت تو کھل جائے اور حلف نامے لینے کا فراڈ ختم ہو۔

بقیہ: اخلاص

اور جس کی غنایت کا تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام (جو اس علم اور فن کے استاد ہیں) کے ہاں انسانوں کے قلوب کی اصلاح اور امراض روحانی کا علاج کر کے صفتِ خلوص سے متصف کیا جاتا ہے اور اس کا نسخہ شفا ہے "ذکر اللہ"۔ ذکرِ الٰہی کا کہنا ہے کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا وعدہ فرمایا ہے جس سے بڑی نعمت مومن کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی وہ ہے فاذکرونی اذکرکم یہ وعدہ صرف ذکر الٰہی کے ساتھ مختص ہے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ یاد کرے اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہو سکتا ہے ؎

فقر قرآن؟ اختلاطِ ذکر و فکر ٭ فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

مجالس علم و عرفان

الحاج
محمد حبیب الرحمان
ایس پی ریٹائرڈ لاہور

اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں ساتھیوں کو مخاطب کر کے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سب سے مجرب دعائیں قرآن کریم سے نکلتی ہیں۔ ہر پیغمبر جو کسی زمانہ میں آیا اُس سے کوئی نہ کوئی دعاء مانگی حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ایوبؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑی بڑی ہستیاں ہیں ان کی دعائیں قرآن کریم نے نقل کی ہیں اس لئے یہ مسئلہ سمجھ لو جس غرض کیوا سطے اور جس بات کے لئے جس پیغمبر نے دعا مانگی اگر وہ معاملہ پیش آجائے تو وہی دعاء پڑھو۔ وہ ٹلتی نہیں۔ وہ مجرب ہے۔ یہ قانون ہے۔

ایک ولی اللہ نے قرآن کریم کی آیات کی خاصیت کے بارے میں ایک کتاب لکھی لیکن افسوس کہ وہ طبع نہیں ہوئی کہتے ہیں کہ جرمنی کے کتب خانہ میں وہ مسودہ موجود ہے تفسیر جلالین کی شرح تفسیر جمل ہے اس میں یہ دعائیں نقل کی ہیں، ظاہر ہے کہ جس پیغمبر نے جو دعاء مانگی وہ یقیناً قبول ہوئی اس لئے اگر اس جیسا کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہی دعا پڑھی جائے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ جس دعاء کو اللہ تعالےٰ قبول فرمالیں اس کا اثر کب ظاہر ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے حق میں بددعا کی تو فوراً وحی آگئی کہ اس کی قوم کو ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن اس کا اثر ظاہر ہونے میں چالیس سال لگ گئے۔

سورۂ یوسف کے آخری رکوع میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہے۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین

یہ دعا سات مرتبہ یا گیارہ مرتبہ مانگنی چاہیئے اور جب دعا مانگنے لگو تو تین یا سات یا گیارہ مرتبہ کہنا چاہیئے۔ یاارحم الراحمین یاذو الجلال والاکرام۔ تو اللہ تعالے کی ذات متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور پھر دعا یقیناً قبول ہو جاتی ہے۔ اور پھر دعا کے بعد بھی یا ارحم الرحمٰن یا ذوالجلالِ والاکرام اسی طرح پڑھے۔ لیکن قبولیاتی کا اثر ظاہر ہونے کے لئے جلدی نہ کرے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ عذاب قبر کے متعلق اہل سنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے نئے مذہب اور فرقے ہمیں اس عقیدے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ یہودیوں کی بھی یہی کوشش ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی صوفیوں کی جماعت کرتی ہے اس لئے ان کے عقائد خراب کرتے ہیں۔

فرمایا کہ فرعونی دریا میں غرق ہوئے لیکن قرآن کہتا ہے کہ فرعونی غرق ہوتے گئے اور دوزخ کی آگ میں داخل ہوتے گئے۔ ظاہر ہے کہ محض روح تو غرق نہیں ہوتی بلکہ بدن کے ساتھ غرق ہوئے، اس لئے بدن اور روح دونوں کو فوری عذاب شروع ہو گیا۔

اسی طرح قرآن کریم میں آیا ہے کہ فرشتے گھگے مارتے ہوئے لے جاتے ہیں تو عیاں ہے کہ فرشتے بدن کو مار رہے ہیں نہ کہ صرف روح کو۔ پھر ہماری سمجھ کہاں گئی! اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو فرشتے "عبد" کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں یہاں روح کو نہیں بٹھایا جاتا عبد یعنی بندہ کو بٹھایا جاتا ہے اور پھر سوال وجواب ہوتے ہیں۔ اس لئے عذاب قبر بدن اور روح دونوں کو ہوتا ہے عذاب فوراً شروع ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ عذاب قبر کے متعلق ستر سے زائد متواتر احادیث موجود ہیں۔ عذاب قبر کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے اس کا انکار یا تاویل کرنا بھی کفر ہے۔ قبر کا عذاب تو ایسا ہے جیسے حوالات کا نٹا۔ عذاب یہیں سے شروع ہو جاتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو مر جاتا ہے اس کی قیامت اسی وقت قائم ہو جاتی ہے برزخ قیامت اور دنیا کے درمیان ہے برزخ دکھائی نہیں دیتی۔ وہاں کی مخلوق لطیف ہے وہاں کی ہوا بھی لطیف ہے۔ اس لئے جب عذاب قبر برزخ میں ہوتا ہے تو وہ کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔ لیکن برزخ

میں میت کو ایصالِ ثواب کا فائدہ پہنچتا ہے
یہ اہلِ سُنّت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے
لیکن قیامت کے بعد کوئی چیز اس کو فائدہ نہیں
دے سکتی۔ برزخ کی جنت و دوزخ اور قیامت
کے بعد کی جنت و دوزخ میں بڑا فرق ہے قیامت
کے بعد کا عذاب بہت سخت ہے، برزخ
کا عذاب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

گمراہی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے
کہ جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے بڑوں پر اعتراض
کرتا ہے جو پہلے بزرگ گذرے ہیں ان پر
طعن کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ راہ چھوڑ
دیتا ہے تو جب راہ ہی چھوٹ گئی تو وہ
جہنم میں گیا، معتزلہ اور شیعہ حضرات
ان باتوں کے قائل نہیں۔ بلکہ ہمارے
موجودہ دور کے بعد کے علماء اس کے بھی
چار قدم آگے چلے گئے۔ وہ چونکہ اسلامی
حکومت اور اسلامی قانون کا نام لیتے ہیں
اس لئے لوگ ان سے دھوکہ کھا جاتے
لوگوں میں چونکہ دین کا جذبہ ہے اس
لئے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

یہ علمائے دور حاضر ہر سطح پر اپنی
رائے پیش کرتے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ
اپنی رائے الگ رکھو، سلف صالحین
کو دیکھو انہوں نے کیا کیا۔ دین کا راستہ
تو ایسا ہے جیسے کہ ایک اندھا پہاڑ کی
چوٹی پر جا رہا ہو اور لاٹھی پکڑی ہوئی
ہو تو وہ دائیں بائیں نہیں ہوتا کیونکہ
وہ جانتا ہے کہ وہ اُدھر اُدھر ہوا تو مرتا ہے
اسی طرح دین کے معاملہ میں سلف
صالحین، صحابہ کرام رضوان اللہ، تابعین
اور تبع تابعین کی انگلی پکڑ کر چلنا
پڑتا ہے۔ ہم دین کے معاملہ میں بچے
ہیں اور قاعدہ ہے۔ کہ بچے کے پیشاب
پاخانہ کی صفائی اس کی ماں ہی کرتی ہے

ارشاد فرمایا کہ میں نہ فقیر ہوں، نہ
ولی اللہ ہوں، میں تو چاہتا ہوں کہ اولیاء اللہ
کی وجہ سے ہماری نجات ہو جائے۔

علم قرآن و احادیث میں موجود ہے
عمل جو ہم کرتے ہیں سارا فقہا نے
لکھ دیا ہے۔ اخلاص کو تصوّف کہتے ہیں۔
یہ اسلام کی رُوح ہے۔

ماہنامہ المرشد۔ تصوّف کے بارے
میں بہترین اور محقق مضامین
شائع کرتا ہے۔ قارئین کرام اس کا
مطالعہ ضرور فرمایا کریں قیمت فی پرچہ ۴ روپے

غزل

میجر فضل حسین فضل مرحوم

دل میں جو لگی آگ بجھائی نہیں جاتی
اب دوست کی وہ دید بھلائی نہیں جاتی

ہستی پہ یہ بستی بنی اُلفت کی بنا پر
نفرت کے کدالوں سے گرائی نہیں جاتی

ظاہر بھی ہے، باطن بھی ہے ہر شے سے عیاں ہے
پردوں میں ضیا اس کی چھپائی نہیں جاتی

کہتے ہیں کہیں، پیار میں ہیں راز کی باتیں
دیوانے کو ہر بات بتائی نہیں جاتی

یہ پیار کا سجدہ اسے جو سب سے ہے پیارا
اس در سے جبیں اب تو اُٹھائی نہیں جاتی

منزل ہی بتاتے ہیں نہ رستے کا نشاں ہے
کیوں بات کوئی ہم کو بتائی نہیں جاتی

اے فضل زمانے نے ابھی رنگ ہے بدلا
تجھ پر یہ نئی قلعی چڑھائی نہیں جاتی

عبادت رُوبرو

لیفٹیننٹ کرنل سید عزیز الرحمان کوئٹہ چھاؤنی

کیا روزہ کائنات کا مظہر ہے ؟ کیا روزہ تخلیقِ انسانی کی روداد ہے ؟ کیا روزہ خلاصۂ زلیستِ انسانی ہے ؟

ان سوالوں کے جوابات میں نے اپنی تجسّس و تفکّر سے اثبات میں پائے۔ میں نے اپنے دلائل کی مماثلت رودادِ زمانہ اور تاریخِ آفرینش خلیفۃ اللہ فی الارض میں موجود پایا۔ اقرارِ ہستی خدا کا عملی مظاہرہ جو مقصودِ انسانیت ہے میدانِ روزہ میں ہوتے دیکھا۔ معیار حلال و حرام کیا ہے، معیار بہتر دکھتر کیا ہے اور حدِّ سخا و غنا کیا ہے یہ میں نے جوہر روزہ میں پایا۔

یہ سب کیسے۔

اللہ العٰلمین نے ارادۂ تخلیق انسانی فرمایا۔ اور اسے نیابت کی خلعت سے نواز نا چاہا۔ نیابت کے قابل بنانے کے لئے اس کو وسعتوں سے روشناس کرنا لازم ہوُا۔ پس علوم الاسمائے پیرستہ کرنا شانِ انسانی کا طرّہ امتیاز گردانا۔ جب بعلوم الاسماء صرف اور صرف انسان کا مقدر ٹھہرا تو یہ جنس ذی علم ہوئی، جب یہ ذی علم ہوئی تو باخبر ٹھہری۔ ان ہیولوں، ہستیوں فطرتوں اور ابتداء و انتہاء مخلوقاتِ کل بشمولِ خود کے جس سے ہمہ دگر روشناس نہ تھے۔ پس انسانی منفرد بساط کا مالک ہوُا جس کے موجب سارے مخلوقات کے لئے قابلِ تعظیم و متابعت قرار پایا۔ اس بساط و خلعت کی ودلیعت سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ پر قَالُوْا بَلٰی احسان کا اظہار نہیں بلکہ محسن کے غناء و سخا اور انعام و اکرام کا اقرار بر ملا تھا۔ پس جب اتنا اپنے سے قریب کیا اور اس کی عظمت سب پر جتائی تو اُسے کب گوارا تھا کہ اس سے مقصود اوجھل ہو، پس ان گنت رسُل و انبیاء کا سلسلہ مقدر ہوُا تاکہ یہ رشتہ جو خالق کو بے حد محبوب تھا۔ کہیں

منقطع نہ ہو پائے، پس احسان پر احسان جو شیوۂ محسنِ کل ہے کیئے دیتا رہا۔ یوں کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ کا فی الواقع ثبوت دیا۔ اور پرکھ و احتساب کو اس جوہر خالص جسے عبودیت کہتے ہیں کے لئے دائماً بروئے کار فرمایا۔

اس پرکھ سے صرف اس جوہر کا قائم رہے رہنا معلوم کرنا مقصود تھا۔ اور ہے۔ جو انسان کو اپنے خدا سے براہِ راست منسلک رکھے انسان شعوری تحت الشعور اور لاشعوری کے طور پر صرف اور صرف خدا اپنا محسن و مربی سمجھے مانے اور اسی نظریئے پر ہر حالت ہر زمان ومکان میں استقامت رکھے۔ نہ تو اس کی خوشی نہ ملال، نہ خیالات نہ افعال، نہ خواہشات نہ اَنا نہ ملک، نہ خاندان اور نہ قبیلہ و ملک ضد خدا ٹھہرے۔ پس جو یہ رہا۔ تو خدا کو اپنے انعامات سے تسلی ہوئی انسان نے عالی مقامی و عالی ظرفی کا ثبوت دیا اور اپنے مُربی کو مائل بکرم افزوں پایا اور معراج بعیدوں پہ خالق و مخلوق و بندے بلکہ کُلھُم کائنات کے مشاہدے کے لئے دلیل ٹھہرے۔ پس حکم ہُوا:

"تم پر روزے فرض کیئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیئے گئے تھے"

صوم کیا ہے؟ اپنے کو روکے رکھنا ہے تجاوزات سے۔ اپنے کو احکامِ خداوندی کے احاطے میں رکھنا اور جو حدود بالخصوص اس عبادت کے لئے متعین ہیں ان کے اندر رہنا اور بالعموم حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنا صوم ہے۔

نفسِ روزہ میں ضبطِ نفس کا رضا کارانہ عنصر مضمر ہے۔ اس میں دوسرے عوامل کا اثر اور ان سے مرعوب ہو کر پابندِ صوم ہونا جوہرِ صوم کی ضد ہے، یہ عمل دکھلاوا معاشرے کا دباؤ، غیرت و اَنا، ذاتی و جسمانی منفعت اور صوم کا بنفسہٖ ایک خاندانی سالانہ معمول ہونا، غرض ہر وہ شائبہ جو اللہ عزّوجل اور بندے کے درمیان مخل ہو سکتا ہے وہ روزے کو محض ایک دنیاوی تہوار جس سے خدا کی کوئی نسبت نہ ہو رکھ چھوڑتا ہے، نتیجتاً اس عبادت کا ظاہری ڈھانچہ تو قائم رہ سکتا ہے مگر بے روح اور جو بے رُوح ہُوا اس کے استفادے کی اُمید بعید خرد ہے۔

پس روزہ ایک معاملہ ٹھہرا خداوند قدوس اور اس کی چہیتی مخلوق انسان کے درمیان پس یہ عبادت رُو برُو ہے۔ اور اس میں دونوں فریق خدا اور انسان کا ایک دوسرے سے ایک لحظ کے لئے بھی اوجھل ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ شعوری جبت ہے جس میں انسان خاکی نے یک بارگی اپنے آپ کو محفل خداوند میں جاگزیں کیا۔ اور جو رُشد و ہدایت تزکیۂ نفس اور منفعت زمان و مکان حاصل کیا براہِ راست لیا، پس یہ بندۂ مومن حنیف ٹھہرا۔ جس کا خدا کی ذات نے احاطہ کیا اور یہ محیطِ کائنات بنا اور مقصدِ آفرینش، پہ پورا اُترا، یہی حکمت وجہ ہے کہ لغزش خطا اور غفلت چاہے وہ قتل کی حد تک سنگین کیوں نہ ہو۔ کا کفارہ روزہ رکھا گیا ہے۔ اور جس نے یہ ذائقہ فرحت بخش چکھا وہ سال کے باقی ماندہ گیارہ مہینے کے قلیل عرصہ میں کیسے کھوبے۔ پس اگر لولاک، لولاک لما خلقت الافلاک کے کچھ معنے تھے اور یعبدون مقصد زلیست تھا۔ اور ساری رو دادِ زلیست انسانی انسان کا اپنے آقا و مربی کے لئے خاص ہوتا تھا تو روزے میں ہم نے اس کی تکمیل دیکھی۔

اب ایک اور قدرے پیچیدہ نقطہ جو غائر نظر کا محتاج ہے وہ تاریخ پر ایک تجزیاتی نظر ہے۔ ہم نے دیکھا کہ آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور معتدبہ رُسل و انبیاء مبعوث ہوئے۔ عمارتِ انسانیت بنتی اور سنورتی گئی، اذہان مختلف شریعتوں میں ارتقاء حاصل کرتے رہے، حتیٰ کہ علم الاسماء کے جوہر حقیقی کو سمجھنے والی وسعتوں کے متحمل ہونے کے لائق ہوئے تو یہ جوہر سمجھانے کے لئے ختم الرسل تشریف فرما ہوئے انہوں نے خالق کا خزانۂ اتم و اکمل لے کر انسانیت کے حوالے کیا۔ اور یوں اسلام کی دیرینہ عمارت اکمل ہوئی اور دینے والے ذی شان کی نعمتیں اتمم ہوئیں اور انسان دین کے اعتبار سے اس حد تک کفیل ہوا کہ اس کو اور تو کیا آسمانی ذرائع کی بھی احتیاج نہ رہی اس پیرایہ میں ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمتہ اللعلمین ہونا فطری تھا۔ اس لئے کہ کائنات، مسجود کائنات کے لئے تھی۔ اور کائنات کے اور کائنات پر حقوق مسجود متعین ہونا عین تقاضائے انصاف تھا۔ اور جب انصاف قائم ہوا تو چپقلش اور

ناچاقی بین فریقین کلی طور پر ختم ہوئی پس مابین مخلوقات ہم آہنگی ترتیب ہوئی، گویا رحمت کا سماں باندھا گیا جو رحمۃ اللعالمین کا ہی کا سہرا ہوسکتا ہے۔

اس پوری تاریخ کو اور انسان کی پوری جدوجہد کو اگر رمضان المبارک پر منطبق کیا جائے تو عین ماثل منظر ادراک میں آتا ہے یہاں پیہم جدوجہد و منہج ہوتی ہے فلاح انسانی پر یعنی انعامات کے اتمام پہ اور شاید اسی لئے ضروری ٹھہرا کہ قرآن کریم لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے نازل فرمایا گیا۔ اور یہ پیمانے کی رات رمضان کے آخری عشرہ میں زیادہ قرین امکان ہے اور میری ناقص رائے میں یہ منطقی طور پر ان ایام میں ہے۔ یہ رات پیمانے کی رات اس لئے ٹھہری کہ اس میں خدا اور مخلوق خدا کے حقوق اور مخلوقات اور اشرف المخلوقات کے حقوق کا پیمانہ مقرر کرنے والا منبع رشد و ہدایت قرآن مجید اللہ جل و عزّ کا آخری فیصلہ لے کر سفر ارضی کے پہلے پڑاؤ پر مقیم ہوا۔ گویا کہ ماہ رمضان تاریخ ارتقاء انسانیت کی ایک مجمل یہ جامع بہ مظہر ہے جس میں ابتداء جہد سے اور انتہا حاصل مقصود پہ ہوتی ہے

پس ظاہر ہوا کہ انسان کے اشرف ہونے کا راز حدود اللہ میں رہنے میں مضمر ہے۔ اور حدود اللہ احکام الٰہیہ سے مترشح ہے۔ پس کوئی چیز حلال اس لئے نہیں ہے کہ اس کی کوئی مخصوص ہیئت ہے بلکہ اس لئے حلال ہے کہ اس کے لئے خالق کل سے حلال ہونے کا حکم صادر ہے اور حرام اس لیئے ہے کہ خالق ذی حکمت نے یوں قرار دیا ہے۔

ہمارا تجربہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء بجز ہوا کے اور شہوت رانی جو بصورت دیگر شرعاً حلال ہیں۔ اوقات صوم رجو شروع ہوتا ہے صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے متمیز ہونے سے رات آنے تک میں حرام ہو جاتی ہیں۔ یہ اس لئے حکم خداوندی ہے اور عبدیت کا تقاضا ہے کہ احکام معبود سے وفاداری ہو، اور خوشنودی و مطلوب زیست ہو پس ایک دقیق نقطہ ذہن نشین ہوا کہ عبادات معمولات زندگی نہیں بلکہ زندگی ہے اور مخصوص رابطہ بین عبد و معبود ہے۔ اور محیط زمان و مکان ہیں۔ البتہ چند کو مظاہراتی دلیل کے طور پر مخصوص سلیقے میں مقلب کیا گیا ہے۔

جب عبادات محیط زمان و مکان ہیں تو اس

اسلام میں کوئی متبرک موسم نہیں، جیسے بگڑے ہوئے ادیان میں کسی سے منسلک شدہ ایام اور موسم تصور کیے جاتے ہیں، یہاں میری حقیر رائے میں نہ بیساکھی ہے نہ بسنت نہ جامد، بڑا دن، نہ ایسٹر ہے، نہ یوم ولادت اینی ہے اور نہ آن، نہ سالگرہ ہے نہ برسی، ہر روز ہر ہفتہ ہر مہینہ اور ہر سال مبارک ہے جو حدود اللہ کو نظر میں رکھ کر گزارا جائے۔ صرف ان مہینوں اور ایام کو دوسروں پر فضیلت ہے جو قرآن سے ثابت ہیں۔ کوئی تہوار کسی شخص سے منسوب نہیں، کیونکہ شخصیت کی کوئی گنجائش اس آفاقی دین میں نہیں، اس میں صرف اور صرف تقویٰ کو اہمیت حاصل ہے، تقویٰ کے معانی ہیں، نیت، ارادہ یا عمل جو کلیتہً خوشنودیٔ رب کے لئے کیا جائے گویا کہ تقویٰ جوہر عمل اور فخر عمل۔ اگر یہ نہ ہو تو شاید یا دام رہے پر بے مغز جسے خرد یا دام کہنا گوارا نہ کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دین متین میں سارے تہوار اعمال یا یوں کہیے جو ہر اعمال رسل و انبیاء سے منسوب ہیں۔ اور ان تہواروں کی اہمیت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ عبادات خاص کے مواقع ہیں اور عبادات خاص کی روح کو لئے مسلمان ان کو خدا کا احسان سمجھ کر ان میں خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ان تہواروں کا جلوسوں اسراف اور لغویات سے کوئی تعلق نہیں۔

پس جیسے زمین اس دین میں مسجد ہے کسی معبد کی قید نہیں، بندگی کسی خاص پوشاک اور مراسم زلیست تک محدود نہیں اسی طرح کسی موسم کے متبرک ہونے کا بھی تصور نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خداوند حکیم قمری تقویم کو پسند فرمایا جو موسمی قید و بند سے آزاد ہے۔ اور ہر موسم میں ذی شان عبادات متداول رہتے ہیں، اسی بنا نہ کوئی لحظہ، وقت اور نہ کوئی موسم مبارک یا منحوس رہا۔ ہر آن رحمت وغنا، کے دروا ہیں کسی خاص لحظے کے انتظار سے انسان کو آزاد کرایا البتہ کاوش و محنت کی آسان اور کٹھن گھڑیاں صلے میں برابر نہیں۔

جب اعمال میں تر صلۂ نیک یا بد ایک منطقی اور فطری نتیجہ ہے، اعمال جن کی بنیاد تقویٰ پہ ہے، رب العزت نے ان کے صلے اپنی شان کریمی کے بل عمل نے چنداں رکھے ہیں کہیں دس کہیں ستر اور کہیں ہزاروں۔ اتنا کچھ دئے بھی اس ذات غنی کی تشفی نہیں ہوتی اور سال بھر بندۂ مومن تگ و دو کر کے جب ایمان کے

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

عمامہ اور اتباعِ سنت

علمائے کرام سے خصوصی التماس

محمد سمیع اللہ ـــــــ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ عن عبادۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالعمائم فانہا سیماء الملئکۃ وارخوھا خلف ظھورکم رواہ البیہقی فی شعب الایمان

ترجمہ: حضرت عبادۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمامہ (پگڑیاں) باندھنا تم لازم پکڑو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے اور ان کے شملے اپنی پشت کے پیچھے چھوڑ دو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: مَن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (س النساء ۵۰)

(۱) جس نے حکم مانا رسولؐ کا۔ اس نے حکم مانا اللہ کا "

وما اٰتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا (سورہ الحشر آیت ۷)

(۲) اور جو دے تم کو رسول، سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔"

اس عریضہ میں خصوصی طور پر حضورؐ کی بھولی بسری سنت یعنی عمامہ کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں جو کہ عام مسلمانوں کا کیا کہنا علمائے کرام تک کی ایک عظیم اکثریت نے ترک کردی ہے حالانکہ اس پر آشوب دور میں جب حضور کی سُنتیں مٹ رہی ہیں ان کو ازسرِ نو جاری و ساری کرنا یا زندہ کرنا تجدید ایمان اور حبِّ رسولؐ کا اولین تقاضا ہے اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے۔

عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسّکَ بسنّتی عند فساد اُمتی فلہ اجر مائۃ شھید رواہ البیہقی فی کتاب الزھد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے میری سنّت کے مطابق عمل کیا، میری اُمت کے بگڑنے کے وقت اس

کے لئے سو شہید کا ثواب ہے"۔

ایک اور حدیث میں ہے من رغب عن سنتی فلیس منی (متفق علیہ)

"جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے" (بخاری ومسلم)

نیز ارشادِ نبوی ہے: عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کی طرف اس کے باپ اور اس کی اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا ہو جاؤں"

عمامہ کا باندھنا سنت متواترہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم اوپر شروع کی حدیث میں نقل کیا گیا ہے، چنانچہ ایک اور ارشاد ہے کہ عمامہ باندھا کرو کہ اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے (فتح الباری) عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنا سنت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو شملہ دونوں شانوں کے درمیان چھوڑ لیتے تھے اور اور کبھی شملہ عمامہ باندھتے تھے (شمائل ترمذی) آپ عمامہ کا شملہ ایک بالشت کے قریب چھوڑتے شملہ کی مقدار ایک ہاتھ سے زیادہ بھی ثابت ہے عمامہ تقریبًا پانچ گز اور بعض روایات میں سات گز ہوتا تھا وصال کے وقت سیاہ عمامہ آپ کے سرمبارک پر تھا اور اس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا (فضائل نبویؐ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ لنگی (تہبند) باندھنے کی تھی۔ پاجامہ کو آپ نے پسند فرمایا مگر احادیث میں اس کا پہننا ثابت نہیں ہے آپ کا تہبند چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبا تھا۔ اور تین ہاتھ اور ایک بالشت چوڑا تھا (شمائل ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہونا چاہیئے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک میں بھی مضائقہ نہیں لیکن ٹخنوں سے نیچے جس قدر لنگی (یا شلوار) لٹکے گی وہ آگ میں جلے گی (بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کا معمول صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے بچا کر رکھنے کا نہ تھا۔ نہ شام کے کھانے میں سے صبح کے لئے بچا رہے کا تھا اور کوئی کپڑا، کرتا

چادر یا لنگی یا جوتا دو عدد نہ تھے۔

سفید لباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا ارشادِ گرامی ہے:۔

"سفید کپڑے پہنا کرو اس لئے کہ وہ بہت پاک اور پسندیدہ ہیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مُردوں کو کفن دیا کرو" (احمد۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

مناسب ہوگا کہ سرکاری دفاتر اور تعلیمی اداروں وغیرہ میں سفید رنگ کی یونیفارم یعنی لُنگی یا پاجامہ، شلوار، کُرتا اور عمامہ کو لازمی قرار دیا جائے تاکہ سادگی اور کفایت شعاری کا دور دورہ ہو اور جس کی بدولت حلاوتِ ایمان وحُبِّ رسولؐ نصیب ہو۔ اس سے اسلامی تشخص کی نشوونما میں بھی مدد ملے گی اور تشبہ بالکفار کا خاتمہ ہوگا کہ حدیث نبویؐ ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (رواہ احمد وابو داؤد)

ترجمہ: "جو شخص کسی قوم کی مشابہت کو اختیار کرے وہ گویا اسی قوم میں سے ہے"
(مسند احمد وسنن ابو داؤد)

ہمارے ہاں سر ڈھانپنے کے لئے دینی اور سماجی حلقوں میں قراقلی ٹوپی (جناح کیپ یا لیاقت کیپ) پہننے کا جو رواج چلا ہے اس میں نہ صرف تصنّع ہے بلکہ چمڑے کی صفائی میں کیمیاوی اجزاء کے استعمال سے اس کا پاک ہونا بھی مشتبہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اسراف کا بھی پہلو ہے کہ اصلی قراقلی ٹوپی فی زمانہ پانچ سو روپے سے کم میں نہیں ملتی۔

(بقیہ عبادت روبرو) سائلہ یہ عبادت روبرو کرتا ہے تو شانِ رحیمی اُمنڈ کر سامنے آتی ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ اس کا صلہ ہم دیں گے اور اس کو ہم تعداد اور مقدار کے پیمانے میں نہیں لائیں گے کیونکہ اپنی غفار کو پیمانوں میں بیان کرنے کے ہم متحمل نہیں ہوسکتے۔ گویا یہ ایام اجرِ عظیم کے انعام و بونس کے دن ہیں۔ اور مالا مال ہونے کے دن ہیں۔ معافی کے دن ہیں تزکیہ کے دن ہیں۔ فلاح کے دن ہیں۔ پس حزن وملال سے نجات کے ہیں۔ اور یوں شہر رمضان سرمایۂ گران مومن ہے اور اس کا فرض ہونا مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے۔ امت وسطیٰ کو نصیب ہو آمین۔

ماہنامہ طیّبؒ دیوبند

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت قاری محمدؒ طیّب صاحب کا
مشترکہ علمی یادگار

- دیوبند کی علمی، دینی، تحریری اور ثقافتی روایات کا علمبردار
- مسلمانوں کی نوجوان نسل کے لئے جارت و قدامت سے آمیز ایک پیغام ہدایت جو اپنی موجودہ حالاتِ زندگی کا شعور بخشتا ہے۔
- ایک ایسا صحیفہ جسے صحیح الفکر علماء کی ایک جماعت اس ادارہ کے ساتھ خدمت کر رہی ہے کہ اس کا ایک ایک حرف زندگی کے ہر شعبہ میں پڑھے لکھے اور بے پڑھے مسلمانوں کے لئے کارآمد ہو اور اپنی زندگی کا ایک نیا شعور عطا کرے۔ — ایک منفرد اسلوب نگارش — ایک تعمیری اور صحتمندانہ پیغام

نئے نئے موضوعات — اور نئے نئے موضوعات

نگرانِ اعلیٰ

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر ماہنامہ دار العلوم
کی ۲۱ سالہ دورِ ادارت کے بعد

مرتب

نسیم اختر شاہ قیصر فاضلِ دیوبند

نوٹ

پاکستان سے سالانہ چندہ ۔ خریدار حضرات اپنا زرِ اعانت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری ابن حضرت امیر شریعت مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم ۔ مہربان کالونی ملتان شہر کو اس کی اطلاع کے ساتھ روانہ کریں کہ یہ چندہ رسالہ طیّب کا ہے رسید براہ راست ہمیں بھیج دیں یکسالہ باقاعدگی کے ساتھ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا۔

منیجر ماہنامہ طیّب دیوبند (۲۴۷۵۵۲) ضلع سہارنپور (انڈیا)

سانحہ ارتحال

حلقہ کے ساتھی محمد عثمان صاحب ابوظہبی میں انتقال فرما گئے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

تمام احباب اُن کے لئے دعاء فرمائیں۔ امیرِ حلقہ ابوظہبی کے اطلاع نامہ کا متن ملاحظہ ہو:

کراچی کے رہنے والے ہمارے ایک ساتھی محمد عثمان ولد محمد چاند کا یہاں پر مورخہ ۵/۱/۸۵ کو ایکسی ڈنڈنٹ ہوا۔ اور مورخہ ۶/۱/۸۵ بروز اتوار صبح کے ۵ بجے واصلِ بارگاہِ ایزدی ہوگئے۔ مرحوم کی خاص عادات میں ہر وقت باوضو رہنا اور درود شریف اور ذکر لسانی میں رطب اللسان رہنا تھا۔ صبح ڈیوٹی پر جاتے ہوئے سورۂ یٰسین کی تلاوت پختہ عمل تھا اور اس عمل کے دوران اُن کا ایکسیڈنٹ ہوا اور بے ہوش وصال تک رہے ہفتہ کی شب کو جبکہ وہ ابھی ہسپتال میں بے ہوش ہی تھے رات کو ہم لوگ ہسپتال سے واپس مرکز میں ذکر کے لئے آئے ذکر کیا تو ایک لبنانی ساتھی نے بتایا کہ مراقبہ میں دیکھا ہے کہ برزخ کے اولیائے کرام بڑے مسرور ہیں جن کے لباس بہت اعلیٰ ہیں گول دائرے میں بیٹھے ہیں اور اس ساتھی کو انہوں نے کہا کہ ہمیں خبر دی گئی ہے ہم اس کی طرف متوجہ ہیں اور منتظر ہیں۔ اس کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک پہاڑ ہے جو بالکل سیدھا اونچا ہے اوپر سے نور کا ایک فوارہ عثمان صاحب پر گر رہا ہے اور باقی ہر طرف اندھیرا ہے عثمان صاحب کے ہاتھ پاؤں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ سیدھے سنگلاخ پہاڑ پر پوری رفتار سے چڑھ گئے ہیں اوپر ہموار جگہ ہے جہاں پر انتہائی تیز انوارات ہیں اس کے بعد اُسے کچھ نظر نہیں آیا ایک اور ساتھی نے انہیں بڑے خوش انداز میں اُڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ براہ مہربانی اُن کے لئے دعا فرمائیں۔

(مدیر)

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک خاص ایڈیشن ۶۰/-	مسئلہ ایمان بالقرآن ۳/-	خدایا ایں کرم بار دگر کن ۱۰/-
دلائل السلوک اردو ۲۵/-	بنات رسولؐ ۲/-	بزم انجم ۲۰/-
دلائل السلوک انگلش ۶۰/-	داماد علیؓ ۲/-	علم و عرفان ۲.۵۰
حیات برزخیہ ۲۵/-	تفسیر آیات اربعہ ۵/-	فوز عظیم ۲.۵۰
حیات انبیاء اول ۱۵/-	حضرت امیر معاویہؓ ۱۰/-	فضائل توبہ و استغفار ۲۵/-
حیات انبیاء مذاہب اربعہ ۱۰/-	دربار حبیب میں چند روز ۵/-	پاکیزہ معاشرہ ۱۰/-
الدین الخالص ۲۵/-	اسرار التنزیل اول تا چہارم فی ۱۰/-	حج کی دعائیں مع ترجمہ ۵/-
ایمان بالقرآن ۲۰/-	درس قرآن ۵/- راہی کرب و بلا ۱.۵۰	امداد السلوک ۲۰/-
تحذیر المسلمین ۲۵/-	ارشاد السالکین ۵/-	ضیاء القلوب ۱۵/-
الجمال والکمال ۵/-	انوار التنزیل ۵/-	فیوض الحرمین ۱۲.۵۰
سیف اویسیہ ۱۰/-	لغزشیں ۱۰	اللہ کی باتیں ۳۶/-
کمالات عقائد علمائے دیوبند ۵/-	دین و دانش ۱۰/-	احادیث قدسیہ مترجم ۲۰/-
اسرار الحرمین ۵/-	کس لئے آئے تھے ۵/-	اکمال الشیم ۲۲/-
نعت رسول ۲/-	ذکر اللہ عربی ۳/-	الفتح الربانی ۴۵/-
تحقیق حلال و حرام ۴/-	مغالطے ۵/-	تعلیم الدین ۱۰/-
حرمت ماتم ۴/-	تصوف و تعمیر سیرت ۱۰/-	فتوح الغیب ۱۵/-
ایجاد مذہب شیعہ ۴/-	کونوا عباد اللہ ۳/-	ایک نصیحت آموز خط ۳/-
شکست اعدائے حسین ۲/-	اطمینان قلب ۱۵/-	حیات المسلمین ۱۵/-

ماہنامہ
المرشد
یادگار حضرت العلام مرشد مولانا
اللہ یار خان نور اللہ مرقدہ
زیر سرپرستی
حضرت مولانا
محمد اکرم صاحب مدظلہ
اصلاح احوال و باطنی اصلاح

شرح چندہ
- فی پرچہ: ۴/-
- سالانہ چندہ: ۴۵/-
- مشرق وسطیٰ: ۱۲۰/-
- یورپ: ۱۴۰/-
- امریکہ کینیڈا: ۱۶۰/-
- لیبیا: ۱۵۰

ملنے کا پتہ
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ و ماہنامہ "المرشد" دار العرفان منارہ ضلع جہلم
سول ایجنٹ: مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے

انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی۔ڈی۔ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی۔ڈی۔ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255